ماہنامہ حیدرآباد

صدائے شبلی

Monthly Hyderabad

SADA E SHIBLI

اکتوبر 2024 Oct جلد: 7 Vol: شمارہ: 80 Issue:

ISSN: 2581-9216

مدیر:

ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی

نائب مدیران:

ڈاکٹر عبدالقدوس

ڈاکٹر سراج احمد انصاری

ابو ہریرہ یوسفی

قیمت فی شمارہ:	20/-
سالانہ:	220/-
رجسٹرڈ ڈاک:	350/-
بیرونی ممالک:	50/-امریکی ڈالر
خصوصی تعاون:	2000/-

SADA E SHIBLI
A/c: 1327102000023922
Ifsc: IBKL0001327
IDBI Bank: CHARMINAR HYD, T.S

Email: sadaeshibli@gmail.com

Mob: 9392533661 - 8317692718

ماہنامہ ''صدائے شبلی'' حیدرآباد میں مقالہ نگاران سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے

مجلس مشاورت:

پروفیسر اشتیاق احمد ظلی۔ پروفیسر مظفر علی شہ میری
پروفیسر محسن عثمانی ندوی۔ پروفیسر ابوالکلام
پروفیسر شاہد نوخیز اعظمی۔ ڈاکٹر محمد الیاس اعظمی
مفتی محمد فاروق قاسمی۔ مولانا ارشاد الحق مدنی
ڈاکٹر نادر المسدوسی، مولانا محمد مساعد ہلال احیائی
اعجاز علی قریشی ایڈوکیٹ۔ محمد سلمان انجینئر

مجلس ادارت:

ڈاکٹر محمد رفیق۔ ڈاکٹر حمران احمد۔ ڈاکٹر ناظم علی
ڈاکٹر مختار احمد فردین۔ ڈاکٹر غوثیہ بانو
ڈاکٹر سید امام حبیب قادری۔ ڈاکٹر سید اسرار الحق سبیلی
ڈاکٹر سمیہ تمکین۔ ڈاکٹر صالحہ صدیقی۔ ڈاکٹر نوری خاتون
ڈاکٹر فاروق احمد بھٹ۔ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان
ڈاکٹر آصف لئیق ندوی۔ ڈاکٹر مظفر علی ساجد۔
مولانا عبدالوحید ندوی۔ مولانا احمد نور عینی
ابو ہریرہ ایوبی۔ محسن خان

ہر طرح کی قانونی چارہ جوئی صرف حیدرآباد کی عدالت میں ہوگی

محمد محامد ہلال (اونر، پبلشر، پرنٹر، ایڈیٹر) نے دائرہ الیکٹرک پریس میں چھپوا کر حیدرآباد تلنگانہ سے شائع کیا

خط و کتابت کا پتہ

MOHD MUHAMID HILAL #17-6-352,
B1, 2nd Floor,Bafana Complex,
Dabirpura Road, Purani Haveli,
Hyderabad- 500023. T.S

فہرست مضامین

۱	اپنی بات	ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی	۵
۲	اخلاقِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم	علامہ شبلی نعمانیؒ	۶
۳	**صالحیت**	مولوی حبیب الرحمٰن	۷
۴	علم دین کی اہمیت اور ضرورت	ڈاکٹر سیدہ مریم غزالہ	۱۰
۵	**نظم.....علم**	ڈاکٹر سعدیہ سلیم شمسی	۱۴
۶	سرسید احمد خاں اور سیکولرازم	ڈاکٹر محمد شاہد صدیقی علیگ	۱۵
۷	**غزل**	شاعر خلیج جلیل نظامی	۱۷
۸	مولانا ندیم الواجدی: افکار و جہات	عین الحق امینی قاسمی	۱۸
۹	**غزل**	فاروق اعظمی	۱۹
۱۰	شاعرِ اسلام حضرت امجدؔ حیدرآبادی	ریحانہ انصاری	۲۰
۱۱	1950ء کی دہائی	سید عظمت اللہ بیابانی	۲۱
۱۲	**غزل**	جہانگیر قیاس	۲۳
۱۳	پری ناز اور پرندے-ایک تنقیدی مطالعہ (چوتھی قسط)	ڈاکٹر ناظر حسین خان	۲۴
۱۴	متن کے آس پاس	مبصر: عبدالمنان صمدی	۲۹
۱۵	حیدرآباد میں ایوانِ احمد کے زیر اہتمام محفلِ شعر و تہنیت میں	ڈاکٹر محمد آصف علی	۳۴
۱۶	**غزل**	ڈاکٹر نادر المسدوسی	۳۵
۱۷	مدینہ گرامر ہائی اسکول میں جلسہ سیرت النبی ﷺ کوئز کمپیٹیشن	مولانا ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی	۳۶
۱۸	حضرت رحمٰن جامی کی شاعری اور ادبی خدمات آنے والی نسلوں کے.....	مولانا خیر الدین صوفی	۳۸
۱۹	نعتِ شریف: انوارِ مصطفےٰ	سید جہانگیر بیابانی	۳۹
۲۰	مدرسہ اسلامیہ نجم العلوم شاہین نگر میں جلسہ سیرت النبی ﷺ کا انعقاد	مولانا ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی	۴۰
۲۱	علی شاہد دلکش (کلکتہ) کے ساتھ شعری نشست	ڈاکٹر حمران احمد معروفی	۴۱

ماہنامہ ''صدائے شبلی'' کے خصوصی معاونین

جناب **ابوسفیان اعظمی**، مقیم حال ممبئی

جناب **محمد یوسف** بن الحاج محمد منیر الدین عرف ولی مرحوم، حیدرآباد

مفتی **محمد فاروق قاسمی**، صدر علماء کونسل وجے واڑہ، آندھرا پردیش

ڈاکٹر **سید جلیل حسین ایم ڈی** (علیگ) ٹولی چوکی حیدرآباد

مولانا **منصور احمد قاسمی**، معین آباد، تلنگانہ

الحاج **رئیس احمد اقبال**، انجینئر صدر سہارا ویلفیئر سوسائٹی، حیدرآباد

الحاج **محمد زکریا انجینئر** (داماد استاذ الاساتذہ حضرت عبدالرحمٰن جامیؒ)

ڈاکٹر **شہباز احمد**، پروفیسر گورنمنٹ نظامیہ طبی کالج چارمینار، حیدرآباد

مولانا **محمد عبدالقادر سعود**، نائس جوس سینٹر سکندرآباد، حیدرآباد

الحاج **محمد قمر الدین**، نبیل کالونی بارکس حیدرآباد

الحاج **محمد عبدالکریم**، صدر مسجد اشرف کریم کشن باغ، حیدرآباد

اپنی بات

جیسے ہی ماہ اکتوبر آتا ہے شیشۂ ذہن پر گاندھی جی کی حیات وشخصیت کے انمٹ نقوش گردش کرنے لگتے ہیں، کیوں کہ ماہ اکتوبر کی ۲ رتاریخ گاندھی جی کا یوم پیدائش ہے، اسی مناسبت سے اس روز ہمارے ملک میں تعطیل رہتی ہے گاندھی جی کو یاد اور انھیں خراج عقیدت پیش کیا جاتا ہے۔ موجودہ وقت میں جو ملک کی صورت حال ہے، اس منظر میں گاندھی جی کی معنویت اور ہو جاتی ہے، گاندھی جی کا مسلک تھا ''سروھرم سمبھاؤ'' یعنی تمام مذاہب کو پھلنے پھولنے کی آزادی ہو یا یوں کہو ''جیو اور جینے دو'' گاندھی جی نے ہمیشہ بھائی چارہ، قومی یکجہتی اور اہنسا کا درس دیا ہے، ان کا مشہور قول ہے سچ کہا جائے، سچ سوچا جائے اور سچ پر عمل کیا جائے، اونچ نیچ، بھید بھاؤ بھول جائیں اور تمام انسانوں کی برابری کا احساس کریں، مذاہب انسانوں کو ایک دوسرے سے الگ کرنے کیلئے نہیں، انہیں ملانے کیلئے ہیں۔

گاندھی جی کو اس ملک کا مہاتما مانا جاتا ہے اور بار بار یہ بات کہی جاتی ہے کہ گاندھی جی ہی کے راستے پر اس ملک کو چلایا جائے گا، مگر حالیہ بہرائچ کا فساد ہو یا ماضی کی روداد ہو، اس سے اس بات کا اظہار ہوتا ہے کہ ہمارا ملک گاندھی جی کے نظریات کے خلاف جارہا ہے، چند مفاد پرست اقتدار کی ہوس میں ہمارے ملک میں افراتفری کا ماحول پیدا کررہے ہیں، نظم ونسق کے ذمہ داروں پر یہ بات عائد ہوتی ہے جبکہ ان لوگوں نے اس کا حلف لیا ہے کہ ہم بغیر بھید بھاؤ کے اس شخص پر کاروائی کریں گے جو اس کا اہل ہوگا۔ سوشل میڈیا اور کیمرے کے موبائل نے یہ صاف کردیا ہے کہ کاروائی یکطرفہ اور انصاف کے خلاف ہورہی ہے۔ یہ رویہ اصل اور نقل دونوں کے لئے نقصان دہ ہے۔ طُرفہ تماشہ میڈیا اور صحافت نے بے غیرتی کا چولا پہن لیا ہے، اب جھوٹ بہت دنوں تک چھپا نہیں رہ سکتا، اسے باہر ہی آنا ہوگا۔ میڈیا چاہے برقی ہو، ورقی ہو یہ ہمارے ملک کا چوتھا ستون ہے، انھیں اپنے ستون میں سوراخ نہیں بنانا چاہئے، اس وجہ سے اس میں اگر سوراخ کئی ایک ہوگئے تو پورے ملک کا تانا بانا بگڑ سکتا ہے۔

ہمارے ملک میں گذشتہ چند سالوں میں نوع بنوع گستاخ رسول نمودار ہورہے ہیں جس سے ہمارے ملک کا داخلی اور خارجی نظام متاثر ہورہا ہے، کیوں کہ گستاخی کا معاملہ عالمی ہے، جس سے دنیا کے تمام مسلمانوں کو تکلیف ہوتی ہے، اور داخلی طور پر ہندوستانی مسلمان تکلیف کے ساتھ احتجاج اور پولیس اسٹیشن میں ایف آئی آر درج کرتے ہیں اور اس کی وجہ سے پورے ملک کے مسلمان بلاتفریق مسلک ومشرب کے بے چین ہوجاتے ہیں۔ حکومت اور نظم ونسق کے ذمہ داروں پر یہ بات عائد ہوتی ہے کہ ایسے لوگوں پر سخت سے سخت کاروائی کرے تاکہ دوبارہ کسی کو گستاخی کرنے کی ہمت نہ پڑے۔ تاریخ ہمیں بتاتی ہے رحمۃ للعالمین ﷺ کی شان میں جس نے بھی گستاخی کی ہے اس کا انجام دنیا میں عبرت ناک ہوا ہے اور آخرت میں اسے سخت سزا ملے گی۔ اور جو لوگ بھی گستاخی کرنے والے کی طرف داری کرتے ہیں وہ بھی اسی طرح کے مجرم ہیں۔

ممبئی ملک کے مشہور سیاستداں وبزنس مین بابا صدیقی کو ان کے بیٹے ذیشان صدیقی کے آفس کے سامنے کھلے عام گولی مار کر قتل کردیا گیا انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اس واقعے نے پورے ملک میں بے چینی پیدا کردی، ممبئی حکومت قاتل اور اس کے پس منظر کو منظر عام پر لاکر سزا دے تاکہ اس طرح کی واردات کا اعادہ نہ ہو۔ ملک کے مشہور عالم دین مولانا ندیم الواجدی حالیہ دنوں میں اپنے ہونہار فرزند مولانا یاسر ندیم الواجدی مقیم حال امریکہ کے یہاں انتقال کرگئے۔ راقم الحروف سے طالب علمی کے زمانہ میں مرحوم سے ان کے کتب خانہ دارالکتاب دیوبند میں کئی مرتبہ گھنٹوں ملاقات رہی۔ بڑی شفقت سے پیش آنا، تعلیم وتعلم کی باتیں کرنا ان کا طرّہ امتیاز تھا، راقم الحروف کے والد محترم مولانا نجم الدین احیائی فاضل دیوبند ہلال بک ڈپو مبارک پور اعظم گڑھ مؤلف ''آپ تقریر کیسے کریں'' سے مرحوم کے اچھے تعلقات تھے، ہمارے درمیان رابطہ خط وکتابت سے جب تک آپ کے والد حیات رہے ہمیشہ ہی رہا۔ وہ کہا کرتے تھے کہ آپ کے والد سے میں کتاب لیتا دیتا رہا ہوں اور ساتھ ہی ساتھ علم وفکر اور حالات حاضرہ پر بھی تبادلہ ہوتا تھا، ادارہ شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل ٹرسٹ بابا صدیقی مرحوم، مولانا ندیم الواجدی مرحوم کے حق میں دعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ جنت الفردوس عطا فرمائے، پسماندگان ومتعلقین کو صبر جمیل دے آمین۔ مرحومین کی سماجی، علمی خدمات پر ادارہ خراج عقیدت پیش کرتا ہے۔

محمد محامد ہلال اعظمی

اخلاقِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

علامہ شبلی نعمانیؒ

ایک صاحب بیمار ہوئے، آپ چند دفعہ ان کی عیادت کو گئے، جب انھوں نے انتقال کیا تو لوگوں نے اس خیال سے کہ اندھیری رات ہے، آپ کو تکلیف ہوگی، خبر نہ کی اور دفن کر دیا، صبح کو معلوم ہوا تو آپ نے شکایت کی اور قبر پر جا کر نماز جنازہ پڑھی۔

عبداللہ بن عمرو نے غزوہ احد میں شہادت پائی تھی اور کافروں نے ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالے تھے، ان کی لاش آنحضرت ﷺ کے سامنے لا کر رکھی گئی اور اس پر چادر ڈال دی گئی، ان کے صاحب زادے (جابرؓ) آئے اور جوش محبت میں چاہا کہ کپڑا اٹھا کر دیکھیں، حاضرین نے روکا، انھوں نے دوبارہ ہاتھ بڑھایا، لوگوں نے پھر روک دیا، آنحضرت ﷺ نے درد پدری کے خیال سے حکم دیا کہ چادر اٹھادی جائے، چادر کا اٹھانا تھا کہ عبداللہ کی بہن بے اختیار چلا اٹھیں، آنحضرت پکانے نے فرمایا، رونے کی بات نہیں، فرشتے ان کو اپنے پیروں کے سایہ میں لے گئے۔

ایک دفعہ حضرت سعد بن عبادہ بیمار ہوئے، آپ عیادت کو تشریف لے گئے، ان کو دیکھ کر آپ پر رقت طاری ہوئی اور آنکھوں سے آنسو نکل آئے، آپ کو روتا دیکھ کر سب رو پڑے۔

ایک حبشی مسجد میں جھاڑو دیا کرتا تھا مر گیا تو لوگوں نے آپ کو خبر نہ کی، ایک دن آپ نے اس کا حال دریافت فرمایا، لوگوں نے کہا وہ انتقال کر گیا، ارشاد فرمایا کہ منے مجھ کو خبر نہ کی، لوگوں نے اس کی تحقیر کی (یعنی وہ اس قابل نہ تھا کہ آپ کو اس کے مرنے کی خبر کی جاتی) آپ نے لوگوں سے اس کی قبر دریافت کی اور جا کر جنازہ کی نماز پڑھی۔

جنازہ جاتا تو آپ کھڑے ہو جاتے، بخاری میں روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جنازہ جاتا ہو تو یا اس کے ساتھ جاؤ، ورنہ کم از کم کھڑے ہو جاؤ اور اس وقت تک کھڑے رہو کہ سامنے سے نکل جائے۔ اگر چہ آپ نہایت رقیق القلب اور متاثر الطبع تھے، خصوصاً اعزہ کی وفات کا آپ کو سخت صدمہ ہوتا تھا، تاہم نوحہ اور ماتم کو نہایت ناپسند فرماتے تھے، حضرت جعفر (حضرت علی کے بھائی تھے) سے آپ کو نہایت محبت تھی، جب ان کی شہادت کی خبر آئی تو آپ مجلس ماتم میں بیٹھے، اسی حالت میں کسی نے آکر کہا کہ جعفر کی عورتیں رو رہی ہیں، آپ نے فرمایا جا کر منع کر دو، وہ گئے اور واپس آکر کہا کہ میں نے منع کیا لیکن وہ باز نہیں آتیں، آپ نے دوبارہ منع کرا بھیجا، پھر بھی وہ باز نہ آئیں، ہ بارہ منع کرنے پر بھی جب وہ باز نہ آئیں تو فرمایا کہ جا کر ان کے منہ میں خاک ڈال دو۔

لطف طبع: کبھی کبھی ظرافت کی باتیں فرماتے، ایک دفعہ حضرت انس کو پکارا تو فرمایا "او دوکان والے اس میں یہ نکتہ بھی تھا کہ حضرت انس نہایت اطاعت شعار تھے اور ہر وقت آنحضرت ﷺ کے ارشاد پر کان لگائے رکھتے تھے، حضرت انس کے چھوٹے بھائی کا نام ابوعمیر تھا، وہ کم سن تھے اور ایک مولا پال رکھا تھا، اتفاق سے وہ مر گیا، ابوعمیر کو بہت رنج ہوا، آپ نے ان کو غم زدہ دیکھا تو فرمایا یا اباعمیر ما فعل النغیر یعنی ابوعمیر تمہارے مولے نے یہ کیا کیا۔ ایک شخص نے خدمتِ اقدس میں آکر عرض کی کہ مجھ کو کوئی سواری عنایت ہو، ارشاد ہوا کہ میں تم کو اونٹنی کا بچہ دوں گا انھوں نے کہا یا رسول اللہ! میں اونٹنی کا بچہ لے کر کیا کروں گا۔ آپ نے فرمایا کہ کوئی اونٹ بھی ایسا ہوتا ہے جو اونٹنی کا بچہ نہ ہو۔ (سیرۃ النبیؐ، جلد: دوم، ص: ۳۱۴-۳۱۵)

مولوی حبیب الرحمن۔حیدرآباد

صالحیت

۱۰) قانون مغفرت

"وَاِنِّیْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صٰلِحًا ثُمَّ اھْتَدٰی" (سورہ طٰہٰ:82) ترجمہ: (بے شک میں بڑا بخشنے والا ہوں اس کو جو توبہ کرتا ہے اور ایمان لاتا ہے اور شائستہ عمل کرتا ہے پھر اسی سیدھی راہ پر قائم رہتا ہے۔) اس آیت سے ثابت ہے کہ مغفرت کے لئے چار باتیں اہم اور ضروری ہیں۔ (1) شرک' کفر' نفاق سے توبہ اور آئندہ ان میں مبتلا نہ ہونے کا عزم (2) ایمان باللہ حسب صراحتِ صدر (3) عملِ صالح (4) ایمان و عمل صالح پر استقامت۔

استقامت یہ ہے کہ مخالفِ اسلام ماحول میں ہم الٰہی و نبوی تعلیم پر جمے رہیں چاہے، دنیا کا کتنا ہی نقصان کیوں نہ ہو "اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا" (سورہ حٰم السجدہ:30' احقاف:13) ترجمہ: (یقیناً جن لوگوں نے یہ تسلیم کرلیا کہ اللہ تعالیٰ ہی (بلاشرکت غیرے) ہمارا رب ہے، پھر مضبوطی سے جمے رہے۔)

اس قانونِ مغفرت پر کماحقہٗ عمل کئے بغیر نجات کی امید محض جہل و نادانی ہے۔ اس پر عمل کرنے کے بعد اگر کوئی لغزش ہوجائے اور گناہ سرزد ہوجائے اور اللہ تعالیٰ سے معافی چاہے تو اللہ تعالیٰ نے یقین دلایا ہے کہ وہ اس کی طرف رجوع کرنے والے نیک بندوں کے لئے یقیناً غفور اور رحیم ہیں۔ "اِنْ تَکُوْنُوْا صٰلِحِیْنَ فَاِنَّہٗ کَانَ لِلْاَوَّابِیْنَ غَفُوْرًا" (سورہ اسریٰ:25) ترجمہ: (تمہارے اعمال اگر شائستہ ہیں تو وہ (گناہ سے) توبہ کرنے والوں کی خطائیں معاف کرتا ہے۔)

حق تعالیٰ کی رحمت و مغفرت کے اس قانون کو پسِ پشت ڈال کر دنیا ہی کو مقصود و مطلوب بنا کر اللہ تعالیٰ کے غفار ہونے کا غلط مطلب سمجھ کر جو لوگ گناہوں میں مبتلا ہیں وہ سخت شیطانی فریب میں گرفتار ہیں۔

صالح ہونے کے بعد بھی بندۂ خالق و مخلوق کا پورا پورا حق ادا نہیں کرسکتا۔ حق تعالیٰ کی مرضی کے خلاف دانستہ یا نادانستہ غلطیاں ہوسکتی ہیں۔ اس لئے اکثر اوقات بندہ کو اپنے گناہوں کی معافی مانگتے رہنا چاہئے اور اصلاح بھی کرلینا شرط ہے۔ کتاب و سنتؐ میں بندہ کے جو اشغال مقرر ہیں ان میں استغفار بھی ایک شغل بندگی ہے۔ استغفار کو جو شخص حضور قلب سے اپنے پر لازم کرلیتا ہے دین و دنیا کی برکتیں اس پر نازل فرمائی جاتی ہیں۔ لیکن ملحوظ رہے کہ اصلی چیز مغفرت و جنت کا حصول رہے۔ "من لزم استغفارا جعل الله له من كل ضيق مخرجاً ومن كل هم فرجًا من حيث لايحتسب" (ابوداؤد' احمد' ابن ماجہ) جو ہمیشہ استغفار کیا کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو ہر تنگی سے نکالے گا اور ہر فکر سے نجات عطا فرمائے گا اور جہاں اس کا خیال بھی نہ ہوگا وہاں سے رزق دے گا۔) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو خوش خبری دی ہے جس کے نامۂ اعمال میں کثرت سے استغفار ہو۔ "طوبیٰ لمن وجد فی صحیفتهٖ استغفارًا کثیرًا"۔

خالقِ فطرت کی یہی وہ بنیادی تعلیم ہے جس کو اختیار کر کے طالب حق صالح بنتا ہے۔ اس کی زندگی شائستہ ہوجاتی ہے اس کے تخیل میں بلندی و خوبی اور کردار میں پاکیزگی پیدا کردی

جاتی ہے جس کی علامت یہ ہے کہ انسان کا فطری جذبۂ حکمرانی' کتاب وسنت کے تابع ہوجائے ایسی ہی زندگی کا نام "حیات طیبہ" ہے۔ "مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً" (سورہ النحل:97) ترجمہ: (مومن مرد وعورت جو بھی نیک کام کرے گا ہم اس کی زندگی پاکیزہ بنادیں گے۔) مرنے کے بعد خیر و اعلیٰ' مرضی کے مطابق زندگی اسی ایمان وعملِ صالح (حیاتِ طیبہ) کا یقینی بدل ہے۔ "اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتُ النَّعِيْمِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَعْدَاللّٰهِ حَقًّا" (سورہ لقمان: 8-9) ترجمہ: (بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے ان کے لئے نعمتوں کے باغ ہیں جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے اللہ کا وعدہ سچا ہے۔) آخرت کے انجام کے لحاظ سے صالحین کا دوسرا نام اصحٰب الیمین ہے جس میں صالحین و شہداء دونوں داخل ہیں۔ بالعموم امر بالمعروف ونہی عن المنکر صالحین کا فریضہ نہیں سمجھا جاتا حالانکہ قرآن مجید سے ثابت ہے کہ یہ بھی صالحین کی صفت ہے۔ "ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ" (سورہ البلد:17-18) ترجمہ: (پھر ان میں سے ہوگیا جو ایمان لائے اور صبر ومرحمت کے ساتھ نصیحت کرتے رہے۔ یہی لوگ اصحاب الیمین ہیں۔ ہر مومن کا فرض ہے کہ اپنی ذات کے علاوہ ان لوگوں کو بھی جو اس کے زیرِ اثر ہوں اُن اعمال سے دور رکھنے کی کوشش کرے جن سے آخرت کی ابدی زندگی ناری ہوجاتی ہے۔ "يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا" (سورہ التحریم:6) ترجمہ: (مومنو! اپنے کو اور اپنے متعلقین کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ) انسان کی فطرت اور خالقِ فطرت کی ہدایتوں کو اچھی طرح سمجھ لینے کے بعد ہر طالبِ حق کی عقل کا یہی فیصلہ ہوگا کہ دینِ اسلام جس میں انسان کو انسانیت سکھائی گئی ہے، وہی دینِ فطرت ہے، دینِ حق ہے۔ اس کے سوا جو کچھ ہے گمراہی ہے' یہی اعلانِ حق ہے۔ "فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ" (سورہ یونس:32) ترجمہ: (پھر حق آجانے کے بعد کیا رہ گیا سوائے گمراہی کے)

۱۱) فسق وبدعت

ایمان وعملِ صالح کے بعد بے راہ روی کی دو صورتیں اور ہیں (1) فسق (2) بدعت

۱) **فسق:** بنیادی احکام (1) ایمان باللہ (2) نماز (3) زکوٰۃ (4) روزہ اور (5) حج وغیرہ کی پابندی کرتے ہوئے کوئی گناہ کا کام کرتے رہنا، مثلاً شراب پینا' سود کھانا' جھوٹ بولتے رہنا' غیبت کرتے رہنا' ڈاڑھی منڈانا وغیرہ فسق ہے۔ فسق کی یہ تعریف قرآن ہی سے ماخوذ ہے۔ سورہ بقرہ کے 39 رکوع میں کاتب وگواہ کو ضرر پہنچانے سے منع کیا گیا ہے۔ اس کے بعد یہ تنبیہ ہے۔ "وَاِنْ تَفْعَلُوْا فَاِنَّهٗ فُسُوْقٌۢ بِكُمْ" (سورہ البقرہ:282) ترجمہ: (اگر تم ایسا کرو گے تو یہ تمہارے لئے فسق ہے) اور سورہ الحجرات میں مسخرہ پن' بُرے نام سے پکارنے' لعن وطعن سے منع کیا گیا ہے اور اس کو فسق قرار دیا ہے۔ "بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ" (سورہ الحجرات:11) ترجمہ: (ایمان کے بعد فسق کا نام بھی بُرا ہے) ان دونوں مقامات پر مخاطب' اہل ایمان ہیں جو اسلام کے بنیادی احکام کی پابندی کرتے تھے۔ اس لحاظ سے اسلام کے بنیادی احکام کی پابندی کرتے ہوئے کسی بُرے کام میں مبتلا رہنا فسق ہے کیونکہ سرے سے بنیادی احکام ہی کی پابندی نہ کرنا منافیٔ ایمان ہے۔ فاسق سے اللہ تعالیٰ کا وعدۂ مغفرت نہیں۔ غرض فاسق انجام کے لحاظ سے خطرہ میں رہتا ہے اگر مرنے سے پہلے توبہ واصلاح کرلے گا تو صالحین میں شمار ہوجائے گا۔

صالح و فاسق کا فرق

گناہ صالح سے بھی سرزد ہوجاتے ہیں۔ مگر صالح کے پاس گناہ کرنے کا عزم (ارادہ) نہیں رہتا بلکہ گناہ نہ کرنے کا عزم رہتا ہے اور گناہ سرزد ہوجائے تو فوراً توبہ کرلیتا ہے۔ اس کے برخلاف فاسق کے پاس گناہ کرنے کا عزم رہتا ہے۔ وہ گناہ کرتا رہتا ہے نہ توبہ کرتا ہے نہ نادم ہوتا ہے صالح و فاسق میں یہی فرق ہے۔

۲) بدعت: بدعت کا مختصر مفہوم یہ ہے کہ ثواب و خیر و برکت و تزکیۂ نفس کے لئے ایسے کام تجویز کرنا اور ایسے عقیدے پیدا کرلینا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کی تعلیم نہیں دی اور نہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی عمل اور صحابہؓ کی روش سے ثابت ہوں۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ایسے تمام امور جو میریؐ اور خلفاء راشدین کی سنت نہ ہوں وہ بدعت ہیں اور یہ بھی فرمایا کہ بدعت گمراہی ہے۔ **"فانہ من یعش منکم بعدی فسیری اختلافًا کثیرًا فعلیکم بسنتی و سنۃ الخلفاء الراشدین المھدین تمسکوا علیھا وعضوا علیھا بالنواجذ وایاکم ومحدثات الامور فان کل حدثۃٍ و کل بدعۃ ضلالۃ"** (احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ، ترمذی) ترجمہ: (واقعہ یہ ہے کہ جو میرے بعد زندہ رہے گا وہ بکثرت مختلف باتیں پائے گا۔ (تم ان اختلافی باتوں پر نہ جاؤ) بلکہ تم میری سنت اور میرے ہدایت یافتہ نیکوکار خلفاء کی روش (طریقوں) پر جمے رہو اس پر مضبوطی سے قائم رہو اپنے دانتوں سے مضبوط پکڑے رہو اور بچو تم نئی باتوں سے، ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔) اور گمراہی کا انجام آخرت نار ہے۔ **"کل ضلالۃ فی النار"**۔

بدعات کی تفصیل

صدیوں سے مسلمانوں میں دانستہ یا نادانستہ بدعات کا رواج ہوگیا ہے۔ مثلاً محرم کے مہینہ کو غم و ماتم کا مہینہ سمجھنا، اہل بیت کا ماتم کرنا، محرم کے علم وغیرہ اور محرم کے دیگر رسوم، ماہِ صفر کے منحوس ہونے کا عقیدہ، اسی ماہ کی تیرہ تاریخ کو صدقہ کا لزوم، آخری چہارشنبہ منانا، ماہ ربیع الاول، ربیع الآخر کی بارہویں و گیارہویں کے نام سے مجلسیں و فاتحہ خوانی، میلاد مبارک و آثار مبارک اور رجب میں معراج کے جلسے، رجب کے کونڈے، شعبان میں روحوں کے آنے کا عقیدہ، اس مہینہ میں ان کے لئے ایصالِ ثواب کی خصوصیت، شبِ برأت کی اجتماعی شب بیداری، رمضان میں شینے، ماہ ذی الحجہ کی 9 تاریخ کو عرفہ کی تقریب، موت کی تمام رسمیں، مثلاً پھول یا پھول کی چادر، میت کے سینہ پر کلمہ طیبہ لکھنا، قبر میں توشہ و بیعت کے شجرے رکھنا، فاتحہ سوم، دہم، چہلم و برسی، شادی کی تمام وہ رسمیں جن کو باعثِ برکت سمجھا جاتا ہو، حیرانی و پریشانی اور مصائب میں بزرگانِ دین کو پکارنا، ان کی نذر و منت، ان کی مزاروں پر چادر چڑھانا، صندل مالی، سجدۂ طواف، سماع و قوالی کو ایمان کے بڑھنے اور بڑھانے کا ذریعہ سمجھنا، ذکرِ الٰہی کے مروجہ طریقہ، اشغال و مراقبات، وحدۃ الوجود، فنا و بقاء کی تعلیم کو رضاء و قرب کا ذریعہ سمجھنا، یافت و شہود اور انائے واحد، وجود واحد وغیرہ کی مشق وغیرہ وغیرہ۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو مولانا اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "ایضاح الحق الصریح فی احکام المیّت والضریح") رسالہ الحق کی تیسری جلد میں اس کا ترجمہ شائع کیا گیا ہے۔ فسق و بدعت میں مبتلا رہنے والے کو اصلاحِ حال کی توفیق نہیں ہوتی۔ الّا ماشاء اللہ اور صالحیت جو ہدایت کا ابتدائی مقام ہے وہ بھی حاصل نہیں ہوتا۔

خصوصاً بدعت، فسق سے زیادہ خطرناک ہے کیونکہ بدعتی اپنے غیر اسلامی اور غیر مسنون افکار و اعمال و اشغال کو اسلامی اور مسنون سمجھ کر اس جہل مرکب میں مبتلا رہتا ہے کہ بڑے ثواب کے کام کررہا ہے جس کی وجہ سے اس کو توبہ کی توفیق ہی نہیں ہوتی۔ (ماخوذ: رہنمائے فطرت، ص: ۱۳۳-۱۳۸)

ڈاکٹر سیدہ مریم غزالہ۔ اسسٹنٹ پروفیسر آف عربک سینٹ انیس کالج فار ویمن، مہدی پٹنم حیدرآباد

علم دین کی اہمیت اور ضرورت

علم کے معنی جاننے، سیکھنے، دریافت کرنے، نا معلوم سے معلوم کی طرف آنے، تاریکی سے روشنی میں آجانے اور گمراہی سے راہ راست پر چلنے کے ہیں۔ دین وہ طریقہ زندگی ہے جو خالقِ کائنات نے اپنی اشرف ترین مخلوق حضرت انسان کو دنیا میں کامیاب زندگی گزارنے اور آخرت میں سرخروئی حاصل کرنے کے لئے اپنے صحیفوں کو انبیاء ورُسل پر نازل کرکے بتایا ہے اور یہی انبیاء ورُسل نے اپنے اپنے زمانے میں خدائی ہدایت کے مطابق زندگی گذار کر بندگانِ خدا کو راہ راست بتلادی ہے اور آخر میں اللہ نے خاتم النبین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن نازل کرکے اپنے دین کو قیامت تک کے لئے مکمل کردیا ہے۔

علم سے متعلق مزید ایک اہم بات کی وضاحت کردینا ضروری ہے وہ یہ کہ علم دین اور علم دنیا کا حقیقی مقام۔۔ آج ان دونوں علوم کے فرق کو اس قدر وسیع کردیا گیا ہے کہ علم دین حاصل کرنے والے دُنیوی علم کے حصول کو شجرِ ممنوعہ سمجھتے ہیں اور دُنیوی علم حاصل کرنے والے علم دین حاصل کرنے والوں کو صرف مسجد کی امامت پر قانع رہنے والے سمجھتے ہیں۔ یہ تصور بالکل غلط ہے۔ علم خواہ مادّی ضرورتوں کو پورا کرتا ہو یا روحانی۔ بالکل الگ الگ نہیں ہے۔ بلکہ دونوں کا ساتھ ایک دوسرے سے چولی دامن جیسا ہے۔ علم کا صحیح تصور تو یہ ہے کہ جہاں انسان دُنیوی علم کے ذریعہ سے خالق کی دی ہوئی نعمتوں کو پاکر آسودگی حاصل کریو ہیں اس کو اپنے پیدا کرنے والے کا شکر گذار ہونا چاہیے اور اُس کی بتائی ہوئی راہ پر چل کر اپنے رب کی رضاء حاصل کرلے تب ہی وہ دُنیا میں اپنی روحانی غذا پاسکتا ہے اور آخرت کی ابدی نعمتیں تب ہی اس کے حصہ میں آئیں گی۔ اس طرح دینی علم حاصل کرنیوالوں میں اتنی وسعتِ نظری وبصیرت ہونی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں کوئی چیز عبث نہیں بنائی ہے اور جو لوگ ان میں غور وفکر کرکے اس کے اسرار ومعارف کو جان کر نوعِ انسانی کو فائدہ پہنچارہے ہیں اُن سے بیر نہیں رکھنا چاہیے۔ ہاں اُس علم کی مذمت کرنی چاہیے جو انسان کو فسق وفجور اور جنگ وجدال پر ڈال دیتا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ ہمارے سلف صالحین نے جب تک ان علوم کی خلیج کو گہری نہیں سمجھے اس وقت تک وہ دنیا کے ہر میدان میں امامت کرتے رہے اور جب سے یہ خلیج گہری ہوئی یعنی دین اور دنیا کو الگ الگ خانوں میں بانٹا گیا اسی وقت سے ملتِ اسلامیہ زوال سے دوچار ہے۔

درج بالا چند تمہیدی باتوں کے بعد درج ذیل عنوانات کی روشنی میں علم دین کی اہمیت اور ضرورت کی وضاحت اس طرح کی جائے گی:

علم دین کی اہمیت

علم ہی درحقیقت انسان کے اخلاق وکردار کی اصل بنیاد ہے۔ انسان کی کامیابی کا انحصار اصل اس بات پر ہے کہ اُسے حقیقت کا علم وادراک حاصل ہو جس کے مطابق وہ اپنی زندگی ڈھال سکے۔ اگر اُسے اس بات کا علم نہ ہو کہ اُسے یہ زندگی کس نے عطا کی ہے اور اس زندگی کی غرض وغایت کیا ہے تو وہ کبھی بھی زندگی کی صحیح راہ پر نہیں چل سکتا اور نہ اپنے خالق کی مرضی پوری کر سکتا ہے۔ اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے کوئی گہری تاریکی میں بھٹک رہا ہو اور اُسے بالکل خبر نہ ہو کہ وہ کہاں ہے اور اُسے کس طرف جانا چاہیے۔ قرآن مجید اور حدیث میں علم وفہم کو بنیادی اہمیت دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں جو علم ومعارفت کا

سرچشمہ ہے یہ کہتا ہے:۔قُلْ هَلْ يَسْتَوِى الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَاب (سورۃ الزمر آیت:۹) اے نبیؐ! ان سے پوچھو کہ کیا علم رکھنے والے اور علم نہ رکھنے والے کبھی یکساں ہو سکتے ہیں۔نصیحت تو عقل رکھنے والے ہی قبول کرتے ہیں۔

اس آیت سے علم کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے کہ علم رکھنے والے اور علم نہ رکھنے والے ہرگز ہرگز بھی برابر نہیں ہو سکتے۔ان میں واضح فرق یہ ہے کہ علم نہ صرف یہ کہ انسان کو اُسکے خالق اور رب کا عرفان عطا کرتا ہے بلکہ ذہن و فکر کو صحیح عقائد اور اعلیٰ خیالات کو جلا بخشتا ہے اور اعمال و افعال کو اللہ اور اُس کے رسولؐ کی اطاعت کا صحیح رُخ دے کر اُس صراطِ مستقیم پر گامزن کرتا ہے جو ابدی نجات اور سرفرازی تک پہنچاتی ہے۔اس کے برخلاف علم سے عاری لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں جگہ جگہ بھٹکے ہوئے گمان کی پیروی کرنے والے خواہشات نفس پر چلنے والے اور دل و دماغ رکھنے کے باوجود چوپایوں کی طرح زندگی بسر کرنے والوں کی طرح کہا ہے:۔

وَ مَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ (سورۃ القصص آیت نمبر:۵۰)

اور اُس شخص سے زیادہ گمراہ کون ہوگا جو اللہ کی ہدایت کے بغیر اپنی خواہش نفس کی پیروی کرے۔

اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَ اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِىْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئاً. (سورۃ النجم آیت نمبر:۲۸)

وہ پس گمان کی پیروی کرتے ہیں اور گمان حق بات کے سامنے کچھ کام نہیں دیتا۔

اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُوْنَ اَوْ يَعْقِلُوْنَ اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا (سورۃ الفرقان آیت نمبر:۴۴) کیا تم گمان کرتے ہو کہ ان میں کہ اکثر سنتے ہیں یا سمجھتے ہیں۔یہ تو بس چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ یہ اور بڑھ کر راہ سے بھٹکے ہوتے ہیں۔(یعنی جانوروں سے بھی گئے گذرے ہیں)

علمِ دین کی اہمیت اور اس کی فضیلت کے بارے میں بے شمار احادیث ہیں اور نبی کریمؐ نے علم دین حاصل کرنیکی تاکید فرمائی اور اس کا بہت بڑا اجر بتایا ہے۔

عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ مَنْ خَرَجَ فِى طَلَبِ الْعِلْمِ فَهُوَ فِى سَبِيْلِ اللّٰهِ. (رواہ الترمذی) ایک حدیث جو انسؓ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص علم کی تلاش میں نکلا ہیں وہ اللہ کی راہ میں ہے۔

ایک روایت جو حضرت ابو درداؓ سے مروی ہے رسول اللہؐ نے فرمایا جو علم کی تلاش میں کوئی راستہ اختیار کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کا راستہ آسان کردے گا اور ان کے لئے فرشتے اپنے بازو بچھاتے ہیں۔عالم کے لئے آسمانوں اور زمین کے رہنے والے حتیٰ کہ پانی میں مچھلیاں اور بلوں میں چیونٹیاں بھی مغفرت کی دعا کرتی ہیں اور عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسے چودھویں رات کے چاند کی فضیلت باقی سب تاروں پر ہے۔علماء انبیاء کے وارث ہیں۔انبیاء کا ورثہ نہ دینار ہے نہ درہم بلکہ ان کا ورثہ علم ہے تو جس کسی نے اُسے حاصل کیا اُس نے وافر حصہ حاصل کیا۔عَنْ عَبْدِ الله بن عباسؓ قَال قَالَ رَسُوْلُ الله علیه و سلم: مَنْ جَاهُ اَجَلُهٗ وَهُوَ يَطْلُبُ الْعِلْمَ لَقِىَ اللّٰهَ وَلَمْ يَكُنْ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ النَّبِيِّيْنَ اِلا دَرَجَةَ النُّبُوَّةِ:

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسولؐ نے فرمایا: اگر کسی شخص کو اس حالت میں موت آجائے کہ وہ علم حاصل کررہا ہو تو وہ اللہ سے اس حال میں ملے گا کہ اس کے اور انبیاء کے درمیان صرف نبوت کے درجہ کا فرق رہے گا۔یعنی علم حاصل کرنے کو نبیوں کے مرتبہ تک پہنچنے کے برابر قرار دیا ہے بلکہ ایک موقع پر رسولؐ نے کہا قرآن پڑھنے والوں کو نبوت کی آغوش میں لینے کے برابر قرار دیا (حاکم بہ روایت ابن عمر)

علمِ دین کی اہمیت اور ضرورت کا اندازہ لگانے کے لئے اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت چاہیے کہ قرآن کی پہلی وحی ہی اقراء (پڑھو) سے لے کر مالَم یَعلَم (اُن چیزوں کی تعلیم دی جس کو وہ

نہیں جانتا تھا) تک جملہ پانچ آیتیں نازل ہوئیں۔

مذکورہ آیات اور احادیث سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ علم کی اہمیت کس قدر وسیع ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں جگہ جگہ آفاق وانفس میں غور وتدبر کرنے اور اس میں موجو برکتوں سے متمتع ہو کر شکر بجالانے کی تلقین کرتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ کائنات اور اس میں موجود خالق کی پیدا کردہ تمام مخلوق کس قدر مربوط ومضبوط نظامِ علم کے تحت پابند اور اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہے۔ اللہ تعالیٰ سورہ اعلیٰ کی چھوٹی چھوٹی آیات میں کیا خوب کہا ہے۔ ہم نے اس کو پیدا کیا۔ تناسب قائم کیا اور اس کی تقدیر بنائی اور راہ دیکھائی۔

الَّذِیْ خَلَقَ فَسَوّٰی. وَ الَّذِیْ قَدَّرَ فَھَدٰی (سورۃ الاعلیٰ آیت:۲۔۳) جس نے پیدا کیا (خَلَقَ) اور پھر نوک پلک سنوارے (2) جس نے تقدیر بنائی (قَدَّرَ) (3) پھر راہ دکھائی۔

نبوت سے قبل دُنیا کی جہالت

اللہ نے خاتم النبین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن نازل کر کے بہت بڑا احسانِ عظیم کیا ہے ورنہ اُس وقت عالمِ عرب اور باقی تمام دنیا مکمل جہالت میں ڈوبی ہوئی تھی۔ اہل کتاب بھی اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل کے لئے اللہ کے صحیفوں میں تحریف وترمیم کر چکے تھے۔ ہر طاقتور نے کمزور کو اپنا چارہ بنا لیا تھا۔ بادشاہ اپنی رعیت کو غلام بنا چکے تھے پورا برصغیر طبقاتی تفاوت کا شکار ہو چکا تھا۔ انسانوں کو ذات پات کی بنیاد پر تقسیم کیا جا چکا تھا۔ کوئی اعلیٰ وارفع ہے تو کوئی نیچ وکمین ہے۔ اسلام کے تصور ''تقویٰ'' کی بنیاد منہدم ہو کر رہ گئی تھی۔ (اِنّ اکرمکم عنداللہ اتقاکم)

اُس وقت یونان ومصر علم کے گہوارے سمجھے جاتے تھے لیکن وہ بھی خود پرستی اور خواہشات نفس کی تسکین کے آماہ جگاہ بن چکے تھے۔ عالمِ عرب کی جہالت کا یہ حال تھا کہ وہاں نبوت سے پہلے صرف ۱۷ لوگ پڑھ لکھے تھے۔ قبائلی بغض وعناد اور حسب ونسب ذہن وفکر میں اس قدر رچ بس گیا تھا کہ صدیوں ایک دوسرے سے لڑتے جھگڑتے تھے بلکہ ذرا ذرا سی بات پر لڑنا ان کا معمول بن چکا تھا۔ کسی قبیلے کا اونٹ کسی قبیلے کی چراگاہ میں چراہتے تو بس جنگ وجدال کا ماحول گرم ہو جاتا۔ لڑکیوں کی پیدائش کو انتہائی بری نگاہ سے دیکھا جاتا بلکہ ان کو زندہ درگور کرنا معیوب نہیں سمجھا جاتا۔ خدا کا صحیح تصور ختم ہو چکا تھا۔ ہر جگہ شرک وبت پرستی اور الحاد کے اوثان وجود میں آچکے تھے۔ بُت پرستی چالاک لوگوں کا نفع بخش کاروبار اور بھولے بھالے وبیوقوف لوگوں کو لوٹنے کا ذریعہ بن چکا تھا۔ یہ صرف وصرف صحیح علم وآگہی کے فقدان کا نتیجہ تھا۔

بعد نبوت علم کی ترویج

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مختصر دورِ نبوت میں علم کو اس قدر وسعت دی کہ قیامت تک اس کی مثال ملنی مشکل ہے۔ جیسا کہ روایات میں یہ بات آچکی ہے کہ نبوت کی زندگی سے قبل عرب میں صرف ۱۷ لوگ پڑھے لکھے تھے۔ لیکن ہمارے پیارے نبی محسن اعظمؐ نے صرف تیس ۳۲ سالہ نبوی زندگی میں ہزاروں لوگوں کو زیورِ علم سے آراستہ کیا۔ گلہ بانوں کو جہاں بانی سیکھا دی۔ آپؐ کی راست نگرانی میں تربیت پانے والے نوعمر صحابہ و صحابیات مثلاً حضرت علیؓ حضرت عائشہؓ حضرت ابو ہریرہؓ حضرت انسؓ ابن مسعودؓ ابن عمرؓ اور ابن عباسؓ کو ایسی علم وآگہی عطا فرمادی کہ وہ علمِ دین کے ستون اور فقہہ کہلاتے ہیں۔

ان کی روایت کردہ مجموعہِ احادیث کو دین تک رسائی کی بنیاد کہا جاتا ہے اور ان کے بغیر مکمل علم دین کا حصول نصف سے کم درجہ تک گھٹ کر رہ جاتا ہے۔ مسجد نبویؐ کے سامنے ایک چبوترہ بنا دیا گیا تھا۔ وہاں آپؐ قریب اور دور سے آنے والے صحابہ کو تعلیم و تربیت دیا کرتے تھے۔ یہی لوگ اہل صُفہؓ کہلاتے تھے۔ ان کو جہاں دینی تعلیم دی جاتی تھی وہیں انہیں جنگی وحربی ہنر بھی سیکھائے جاتے تھے۔ یعنی اہل صفہ جہاں دعوت وتبلیغ کے کام انجام دیتے تھے وہیں حق وباطل کے معرکہ میں بھی شریک ہوتے تھے۔

حضرت عمرؓ خلافت کے دور میں یہ یاد کر کے روتے تھے کہ اے عمرؓ تو ایک زمانے میں اُجرت پر اونٹ چراتا تھا۔

آپؐ والدین کو خصوصی توجہ دلاتے تھے کہ وہ اپنی اولاد کو تعلیم وتربیت سے آراستہ کریں۔ آپؐ نے کہا' باپ اپنی اولاد کو جو کچھ دیتا ہے اُس میں سب سے بہتر عطیہ اس کی اچھی تعلیم و تربیت ہے۔ (مشکوٰۃ)

نبیؐ کے پاس علم کے حصول کی اہمیت کا اندازہ ہم اس بات سے لگا سکتے ہیں کہ آپؐ کا فرقیدیوں سے مسلم بچوں کو پڑھنا لکھنا سیکھانا بھی معیوب نہیں سمجھے۔ صرف دس بچوں کو پڑھنا لکھنا سیکھانے پر ایک قیدی کا خطیر جرمانہ چالیس ہزار درہم معاف کر دیئے۔ نبیؐ کی ان ہدایات کا یہ اثر ہوا کہ مسلم اُمۃ ایک ہزار سال تک ہر میدان میں دنیا کی امامت کرتی رہی۔ آج اگر ملت اسلامیہ فقر وذلت سے دوچار ہے تو اس کی بڑی وجہ یہی ہے کہ وہ اپنے فرض منصبی کو بھلا کر محدود تصور دین پر قانع ہو چکی ہے۔

دین میں سمجھ پیدا کرنے والے کا مقام

صحیح بات یہ ہے کہ تفقہ فی الدین یعنی دین میں سمجھ وفہم اور بصیرت پیدا کرنے کی بڑی اہمیت ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے کلام میں فرماتا ہے:۔

وَ مَنْ یُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا كَثِیْرًا (سورۃ البقرہ: آیت نمبر ۲۶۹) جسے (دین میں) حکمت عطا کی گئی اُسے بہت بڑی دولت عطا کی گئی۔

اللہ کے رسولؐ فرماتے ہیں:

عَنْ مُعَاوِيَةَؓ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلیّ علیه و سلم' مَنْ یُّرِدِ اللهُ به خَیْراً یُفَقِّھه' فِی الدِّیْنِ (متفق علیہ)

جس کے لئے اللہ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اُسے دین میں تفقہ عطا فرماتا ہے۔

اگر کسی شخص میں دین کی سمجھ پیدا نہ ہو تو وہ نفاق کی راہ پر چل پڑ سکتا ہے ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: عَنْ اَبِی ھُرَیْرَةَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلیَّ اللهُ عَـلَیْهِ وَسَلَّمُ: خصلتان لَا تسجتَمِعَانِ فِی مُنَافِقٍ حُسْنُ سَمْتٍ وَلَا فَقَهٌ فِی الدِّیْنِ. (ترمذی)

دو خصلتیں ایسی ہیں کہ منافق میں جمع نہیں ہو سکتیں ایک خوش خُلقی اور دوسرے دین کا فہم ہمیشہ اس بات کی دعا کرتے رہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ دین کا صحیح فہم عطا فرمائے۔ حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ نبیؐ نے مجھے اپنے سینے سے لگایا اور فرمایا خدایا اسکو حکمت یعنی دین کا فہم عطا فرما۔ ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ اس کو کتاب کا علم دے۔

ترمذی کی روایت میں ہے کہ اللہ کے رسولؐ نے مجھے دو مرتبہ دعا دی کہ اے اللہ اس کو حکمت عطا فرما۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے" میں نے ابوالقاسمؐ کو فرماتے سنا تم میں اسلام میں بہتر وہ ہیں جو تم میں اخلاق کے اعتبار سے زیادہ اچھے ہیں جبکہ وہ (دین کی) بصیرت رکھتے ہوں۔ اور ایک روایت میں ہے" سن لو اس عبادت میں کوئی بھلائی نہیں جس میں تفقہ نہیں اور اس علم میں کوئی بھلائی نہیں جس میں سمجھ بوجھ نہیں اور اس قرآن خوانی میں کوئی بھلائی نہیں جس میں تدبر نہیں یعنی فہم دین کی بڑی اہمیت ہے۔ عالم جسے دین میں فہم وبصیرت حاصل ہو وہ شیطان کی چالوں سے بخوبی واقف ہو سکتا ہے۔ بہ نسبت ایک عابد اور زاہد شخص کے۔

آپؐ نے فرمایا ایک (دین میں) سمجھ رکھنے والا عالم شیطان پر ہزار عابدوں سے زیادہ بھاری ہے۔

ایک مرتبہ مسجد نبویؐ میں دو مجلسیں جمی ہوئی تھیں ایک مجلس میں چند صحابہؓ علم دین میں بصیرت حاصل کر رہے تھے تو دوسری مجلس میں چند صحابہؓ ذکر وعبادت میں مشغول تھے تو آپؐ علم دین سیکھنے والوں کی مجلس میں جا بیٹھے اور کہا اگر چیکہ دونوں مجلسیں اچھے کام میں مشغول ہیں لیکن وہاں بیٹھنا پسند کروں جہاں علم دین میں فہم وبصیرت حاصل کی جارہی ہے چونکہ میں معلم دین بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

(اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّماً)

ڈاکٹر سعدیہ سلیم شمسی۔آگرہ(یوپی)

نظم ..... علم

چاہے دشمن کے آستاں سے ملے
علم حاصل کرو جہاں سے ملے
کامیابی کا یہ قرینہ ہے
ہر ترقی کا علم زینہ ہے
علم سے شخصیت نکھرتی ہے
علم سے زندگی سنورتی ہے
علم سے گفتگو مہکتی ہے
اور تقدیر بھی چمکتی ہے
اس سے رتبہ بلند ہوتا ہے
باب پستی کا بند ہوتا ہے
سر جہالت کا کاٹتا ہے علم
کھائی نفرت کی پاٹتا ہے علم
سیر افلاک کی کراتا ہے
چاند تک علم لے کے جاتا ہے
علم اللہ کی وہ نعمت ہے
جو نہ ہو ختم ایسی دولت ہے
علم واحد ہی وہ خزانہ ہے
جو لٹانے سے اور بڑھتا ہے
علم کا جب چراغ جلتا ہے
آندھیوں کا بھی دم نکلتا ہے
ہم کو شہرت اسی سے ملتی ہے
سب کی چاہت اسی سے ملتی ہے
اس کی جو جستجو میں رہتا ہے
علم حاصل اسی کو ہوتا ہے
علم انمول ایک گہنا ہے
میرے سرکار کا بھی کہنا ہے
اس خزانے کے واسطے لوگو
علم پانے کے واسطے لوگو
ہو ضرورت تو چین تک جانا
مشکلوں سے کبھی نہ گھبرانا
تیر ترکش سے اب نکالو تم
آسماں پر کمند ڈالو تم
چاند تاروں کو جیت سکتے ہو
کوہساروں کو جیت سکتے ہو
پوری ہر اپنی آرزو کر لو
اپنے دامن کو علم سے بھر لو
مانگیے علم کی دعا رب سے
سعدیہ کی ہے التجا سب سے

اسلام میں حسد کرنا بہت بڑا گناہ ہے جس سے بے شمار معاشرتی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔لیکن اللہ کے رسولؐ فرماتے ہیں حسد (رشک) صرف دو آدمیوں کے سلسلے میں جائز ہے ایک وہ جسے اللہ نے مال دیا اور پھر اُسے راہ خدا میں لُٹانے کی توفیق بخشی اور دوسرا وہ شخص جسے اللہ نے حکمت عطا کی تو وہ اس کے مطابق فیصلے کرتا ہے اور لوگوں کو اس کی تعلیم دیتا ہے۔

اسلام میں علم دین حاصل کرنے کی جتنی اہمیت ہے اس سے بڑھ کر کہیں اُس میں فہم حاصل کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ آپؐ نے فرمایا: تفقہ سب سے افضل عبادت ہے اور سب سے افضل دین پرہیز گاری ہے۔اللہ کے نزدیک درحقیقت وہی علماء بہتر ہیں جو اُس سے ڈرتے ہیں۔ اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا اِنَّ اللّٰہَ عَزِیْزٌ غَفُوْرٌ.

حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے بندوں میں سے صرف علم رکھنے والے لوگ ہی اُس سے ڈرتے ہیں۔بے شک اللہ زبردست اور درگزر فرمانے والا ہے۔(سورۃ الفاطر آیت نمبر:۸۲)

☆☆☆

ڈاکٹر محمد شاہد صدیقی علیگ

سرسید احمد خاں کی یوم پیدائش کے موقع پر

سرسید احمد خاں اور سیکولرازم

سرسید احمد خاں ہمہ گیر شخصیت کے مالک تھے، وہ دنیا کی ان چند عظیم شخصیات میں شامل ہیں جنہوں نے زندگی کے ہر شعبہ ہائے حیات میں اپنے لافانی نقوش مرتب کیے ہیں۔ وہ عظیم الشان مغلیہ سلطنت کے زوال اور کمپنی بہادر کے عروج کے عینی شاہد تھے۔ انہوں نے ملک وقوم کی رہنمائی کے لیے صفحہ قرطاس پر جو جذبات، احساسات اور تاثرات پیش کیے تھے اسے پڑھ کر ہی اے۔او۔ ہیوم (سابق کلکٹر اٹاوہ) نے کانگریس کی داغ بیل ڈالی تھی۔ آج جب ملک کی تاریخ ہر ممکنہ پہلو سے مسخ کی جارہی ہے۔ اسکول وکالج کی نصابی کتابوں سے جمہوری اقدار اور ملک کی تکثیریت کے پہلو حذف کیے جارہے ہیں، واٹس اپ یونیورسٹی سے منافرت اور انتشار عام کرنے کا مواد ذہنوں میں بھرا جارہا ہے۔ صدیوں سے ایک گھاٹ کا پانی پی رہیں ہندو مسلمانوں کے مابین نفرت وعداوت پیدا کرنے کے نئے نئے جواز تلاش کیے جارہے ہیں۔ جس کو ہر کس وناکس بے بسی ولاچاری سے دیکھ رہا ہے۔ ایسے دگرگوں حالات میں سرسید احمد خاں جیسے سیکولرازم کے علمبردار کے نظریات کو عام کرنے کی اہم ضرورت ہے۔ جنہوں نے یکے بعد دیگرے موقعوں پر اپنی تقریر وتحریر کے ذریعہ اہل ہند کو تلقین کی۔

سرسید احمد خاں نے 27 رجنوری 1883ء کو پٹنہ میں ہندو ومسلمان دونوں کو یوں نصیحت کی تھی کہ:

''اے میرے دوستو! تمہارے ملک ہندوستان میں دو مشہور قومیں آباد ہیں جو ہندو اور مسلمان کے نام سے مشہور ہیں۔ جس طرح کہ انسان میں بعض اعضائے رئیسہ ہیں۔ اسی طرح ہندوستان کے لیے یہی دونوں قومیں بمنزلہ اعضائے رئیسہ کے ہیں۔ ہندو ہونا یا مسلمان ہونا انسان کا اندورنی خیال یا عقیدہ ہے جس کو بیرونی معاملات اور آپس کے برتاؤ سے کچھ تعلق نہیں ہے۔

اے عزیزو! ہندوستان ہی ہم دونوں کا وطن ہے ہندوستان کی ہی ہوا سے ہم دونوں جیتے ہیں مقدس گنگا جمنا کا پانی پیتے ہیں۔ ہندوستان ہی کی زمین کا پیدا وار ہم دونوں کھاتے ہیں۔ مرنے میں جینے میں دونوں کا ساتھ ہے ..... ہندوستان میں ہم دونوں بہ اعتبار اہل وطن ہونے کے ایک قوم ہیں اور ہم دونوں کے اتفاق اور باہمی ہمدردی اور آپس کی محبت سے ملک کی اور ہم دونوں کی ترقی وبہبود ممکن ہے اور آپس کے نفاق اور صندو عداوت، ایک

دوسرے کی بدخواہی سے ہم دونوں برباد ہونے والے ہیں۔افسوس ہے ان لوگوں پر جو اس نکتہ کو نہیں سمجھتے۔''

مندرجہ بالا اقتباس سے سرسید خاں کے کشادہ ذہن کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ وہ ابنائے وطن کو کس نظر سے دیکھتے تھے۔ان کے نزدیک آپسی میل ومحبت اور ہمدردی انسانی زندگی کے لیے لازمی عنصر تھا،جس کے بغیر کوئی بھی معاشرہ خوشحال نہیں رہ سکتا،لیکن اس سے بڑی مضحکہ خیز بات کیا ہوگی کہ آج پورے ملک میں بعض ناعاقبت اندیش اور کوتاہ نظر عناصر کی جانب سے ایک مذہب،ایک زبان اور ایک تہذیب کے چلن کے لیے نئے نئے حیلے آزمائے جارہے ہیں،جو ملک کے سیکولر ڈھانچے اور آئین کی روح کے منافی ہے لہٰذا ایسے سلگتے ماحول میں سرسید کے تفکرات سے ہر ہندوستانی کو متعارف کرانا حالات کا اہم تقاضا ہے کیونکہ اتحاد واتفاق ہی ملک وقوم کی کامیابی کی کنجی ہے۔

سرسید کے نظریہ نیشن کے معنی ہندو اور مسلم ہیں۔وہ دونوں کو وطن کی دو آنکھیں سے تعبیر کرتے تھے۔انہوں نے انڈین ایسوسی ایشن کے زیر اہتمام 3رفروری 1884ء کو لاہور میں خطاب کرتے ہوئے کہا تھا کہ:

''مجھ کو پورا یقین ہے کہ مجھ سا شخص ہندوستان کی قانونی کونسل کی ممبری اور جو بڑی جواب دہی اس ممبری سے متعلق ہے اس کو اپنے ذمہ لینے کے لائق نہ تھا۔میں خود ان مشکلات سے واقف تھا،جو میرے راستے میں حائل تھیں،مگر باوجود اس کے میری یہ دلی تمنا تھی کہ میں اپنے ملک اور اپنے قوم کی وفاداری کے ساتھ خدمت کروں۔لفظ قوم سے میری مراد ہندو مسلمان دونوں سے ہیں یہی وہ معنی ہیں جس میں لفظ نیشن (قوم) کی تعبیر کرتا ہوں۔ میرے نزدیک یہ امر چنداں لحاظ کے لائق نہیں کہ ان کا مذہبی عقیدہ کیا ہے۔''

یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ عہد وسطی ہند میں ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں کو یکساں حقوق حاصل تھے۔انہیں مذہب وذات یا زبان کے اعتبار سے کسی تفریق کا سامنا نہیں کرنا پڑتا تھا،مگر کمپنی بہادر نے قدم رکھتے ہی سب سے پہلی ضرب ہندوستان کی ہم آہنگی،بھائی چارے اور آپسی رشتوں پر لگائی،کیونکہ اس کے بغیر انگریز برصغیر میں ایک بھی دن راج نہیں کرسکتے تھے۔

سرسید نے اگر ایک طرف مغلیہ دربار کی روا داری دیکھی تو دوسری جانب تاجران فرنگ کے زہریلے ہتھیار ''پھوٹ ڈالو راج کرو'' کا زہر پھیلتے ہوئے بھی،لہٰذا اس کے جراثیم سے بچانے کے لیے سرسید نے متعدد مرتبہ اہل وطن کو ہر زاویہ سے سمجھانے کی کوشش کی:

وہ پنجاب کے ضلع گورداس پور میں 27 رجنوری 1884ء کو اپنے خیالات کا اظہار یوں کرتے ہیں کہ:

''پرانی تاریخوں میں اور پرانی کتابوں میں دیکھا اور سنا ہوگا اور ابھی دیکھتے ہیں کہ قوم کا اطلاق ایک ملک کے رہنے والوں پر ہوتا ہے۔افغانستان کے مختلف لوگ ایک قوم کہلاتے ہیں۔ایران کے مختلف لوگ ایرانی کہلاتے ہیں۔یورپین مختلف خیال اور مذہب کے ہیں مگر ایک قوم میں شمار ہوتے ہیں۔گو ان

میں دوسرے ملک کے بھی لوگ آ کر بس جاتے ہیں، مگر وہ آپس میں مل جل کر ایک ہی قوم کہلاتے ہیں غرض کہ زمانہ قدیم سے قوم کا لفظ ملک کے باشندوں پر بولا جاتا ہے۔ گو ان میں بعض بعض خصوصیتیں بھی ہوتی ہیں۔ اے ہندو اور مسلمانو! کیا تم ہندوستان کے سوا اور ملک کے رہنے والے ہو؟ کیا اسی زمین پر تم دونوں نہیں بستے۔ کیا اسی زمین پر تم دفن نہیں ہوتے ہو؟ یا اسی زمین کے گھاٹ پر جلائے نہیں جاتے ؟ اسی پر مرتے ہو اور اسی پر جیتے ہو تو یاد رکھو کہ ہندو اور مسلمان ایک مذہبی لفظ ہے ورنہ ہندو، مسلمان اور عیسائی جو اسی ملک میں رہتے ہیں۔ اس اعتبار سے سب ایک ہی قوم ہیں۔ جب یہ سب گروہ ایک قوم کہے جاتے ہیں تو ان سب کو ملکی فائدے میں جو اس سب کا ملک کہلاتا ہے ایک ہونا چاہیے۔''

زندہ اور غیور قومیں ماضی کے واقعات کو نفرت پھیلانے کا آلہ بنانے کے بجائے اس سے درس بصیرت حاصل کرتی ہیں اور اپنے حال کو تابناک بناتے ہوئے مستقبل کا لائحہ عمل طے کرتی ہیں لیکن جو قوم عظمت رفتہ سے سبق حاصل نہیں کرتی ان کا آنے والا کل بھی تاریک ہوتا ہے چنانچہ تمام ہندوستانیوں خصوصاً علیگ برادری کی اہم ذمے داری ہے کہ خواب غفلت سے بیدار ہو کر سرسید احمد کی دکھائی ہوئی روش کو اختیار کریں اور ملک کی گنگا جمنی تہذیب و تاریخی میراث کی حفاظت کے لیے ہمہ تن مصروف ہو جائیں جو وقت کا اہم فریضہ ہے، یہی سرسید احمد خاں کے تئیں سچی خراج عقیدت ہوگی۔

شاعر خلیج جلیل نظامی۔ دوحہ قطر

غزل

اک نظر بھی ترے پیکر پہ نہ ڈالی ہم نے
بند پلکوں سے محبت کی مثالی ہم نے

تیری یادیں، ترا ارماں، تری حسرت، ترا غم
دل میں رکھی نہ جگہ کوئی بھی خالی ہم نے

رنگ بھرنے پر تلا ہے یہ زمانہ اس میں
اک جو تصویر بنائی تھی خیالی ہم نے

لے اڑیں سرخ گلابوں کی قبائیں اس کو
تیرے ہونٹوں سے چرائی تھی جو لالی ہم نے

پھر وہ آیا بھی نہیں اور دیئے روشن ہیں
ایسی دیکھی نہ سنی پہلے دِوالی ہم نے

ساتھ رکھتے ہیں شب و روز بیاض حافظ
تجھ سے ملنے کی یہ ترکیب نکالی ہم نے

حیف بے روح اجالوں کی تمنا کی ہے
کر کے گل مشعل رازی و غزالی ہم نے

کور چشموں کی نگاہوں میں کھٹکتے ہیں جلیلؔ
جب سے پائی ہے نظر دیکھنے والی ہم نے

عین الحق امینی قاسمی۔بیگوسرائے

مولانا ندیم الواجدی: افکار و جہات

از ہر ہند دارالعلوم دیوبند کی علمی وروحانی فضاء میں 1996ء کے اندر جب راقم الحروف نے داخلہ لیا تو مدرسہ ثانویہ آتے جاتے ایک باوقار، وجیہ، خوبرو، روشن پیشانی، گولڈن عینک لگائے، لانبا سفید کرتا، علی گڑھ پاجامہ زیب تن، سیاہ داڑھی، گوراچٹا چھریرا قد وقامت، ہاتھ میں کالا چھوٹا بیگ پکڑے عظمت واحترام اور رعب دار دور بین فکر ونظر کی حامل ایک بابصیرت شخصیت اکثر مل جایا کرتی تھی، کبھی کبھار علیک سلیک کی نوبت آتی تو وہ زیر لب مسکرا کر اپنے سراپا کا نقش چھوڑ جاتی۔ وہ شخصیت تھی مشہور اسلامی اسکالر، مصنف، انشاء پرداز، سنجیدہ، متین، سدا بہار خوبیوں کے مالک محترم مولانا ندیم الواجدی صاحب (رحمہ اللہ رحمۃ واسعہ)

وہ دبستان دیوبند کے قابل فخر سپوت تھے، بعد کے دنوں میں راقم کی قربتیں اور نزدیکیاں بھی بڑھیں، ان کے رسالے میں مضامین بھی شائع ہوئیاور ان کے مفید قلمی مشورے بھی ملتے رہے۔ ان کا ہمارے درمیان سے اچانک شکاگو امریکہ میں موت کے ہاتھوں اٹھ جانا، صرف ''خسارہ'' نہیں، بلکہ علمی دنیا کا متعدد جہتوں سے ''عظیم خسارہ'' ہے۔

ان کا وجود ''اتحاد فکر'' کی علامت کے طور پر تھا، وہ علماء دیوبند کے اکابرین واسلاف کی روایات کے ''امین'' تھے، بلاشبہ انہوں نے نہ صرف امانت کی حفاظت کی، بلکہ نئی نسل میں اس بارگراں کو منتقل کر خام ذہن میں امانت کے تحفظ کا احساس بھی پیدا کیا، اپنے معتبر قلم، مخلصانہ ذہن اور عالمانہ شان ووجاہت کے ساتھ دین متین کی تبلیغ واشاعت کا بڑا کام کیا۔

اپنے اجلے ذہن، دراز نفس شرافت، ذکی الحس طبیعت اور کلام وتحریر میں رس گھول کر باتیں کرنے کی صفت کے حوالے سے متاثر کرنے والی ان کی ذات، دیوبند اور دیوبندیت کا عنوان تھی، لوگ انہیں شاید صرف ''دارالکتاب دیوبند'' کا مالک سمجھتے ہوں گے، جب کہ درحقیقت وہ انسانی واسلامی اصول وآداب کے مالک جید عالم دین تھے، ان میں اپنے اکابرین واسلاف کا احترام پوری طرح رچا بسا تھا، وہ عالی نسبتوں کے قدرداں تو تھے ہی، معاصرین کیتقدس اور خوردوں کی عظمت کے بھی دل سے قائل تھے۔ وہ محض عام دنیا دار تاجر نہیں تھے، بلکہ وہ ذوق ونظر، کتاب وسنت اور علم وآگہی کے طرف دار ''ناشر'' تھے، معاشی استحکام میں بیشتر مرحلوں میں لوگ مائل بہ ''دھن'' ہوجاتے ہیں، لیکن انہوں نے اشاعت دین کی وجہ سے بے نیاز زندگی بیتائی اور دین، دنیا، شہرت، دولت، عزت اور رفعت سب کچھ پانے میں بامراد رہے، خدا انہیں خلد بریں کا مکیں بنائے۔

وہ کرسی توڑ خطیب بھی نہیں تھے، البتہ فہم وذکاء، افہام وتفہیم کا گن ان کے اندر پختہ تھا، وہ جب بھی گفتگو کرتے تو ذمہ دارانہ اور بابصیرت گفتگو کرتے تھے، وہ بہت چھوٹی عمر سے قلم کے دھنی واقع ہوئے تھے، ان کا قلم تصنیف مزاج، ماحول آشنا اور باادب تھا۔ وہ ہر موضوع پر لکھنے کی قدرت رکھتے تھے اور جس موضوع پر بھی قلم اٹھاتے کنہیات تک پہنچنے کی کامیاب کوشش

کرتے تھے۔ بڑے بڑوں کو وہ ادب وشائستگی سے قائل کر لینے اور رام کر دینے کی خوب صلاحیت رکھتے تھے۔ انہیں آسان زبان میں دل کے درد کو الفاظ میں ڈھالنا آتا تھا، انہوں نے اس جہت پر خوب لکھا اور کبھی بدمزگی کے شکار نہیں ہوئے، انہوں نے دارالعلوم اور اکابرین دارالعلوم کے اتحاد کے لئے جو کام کیا اور بے لاگ لپیٹ کیا، وہ رہتی دنیا تک یاد رکھا جائے گا، آج اگر دونوں دارالعلوم اور وہاں کے اساتذہ وطلبہ کے درمیان غیر معمولی قربت نظر آرہی ہے تو اس کے پیچھے اس ''مرد دانا'' کے سوز دروں کا کمال ہے۔ انہوں نے اپنے علم وقلم سے علماء دیوبند کے منہج وافکار اور راست گوئی واعتدال کو خوب بیاں کیا ہے، جس طرح ظاہر بیں میں وہ خود خوبرو، باوضع اور نستعلیقیت کے حامل تھے، اپنے افکار وجہات زندگی سمیت عمل وکردار اور حسن اخلاق وگفتار میں بھی وہ پاک نفس تھے۔

ان کی دیدہ وری، اخاذ ذہن اور صالح فکر وطبع نے معاصرین کے علاوہ بہت سے ''سرتاج'' کو بھی قائل کرم کر لیا تھا، ان پر خورد وکلاں کا علمی، اصلاحی دعوتی اعتماد، حق گوئی، برد باری، بلکہ نشست وبرخواست، رفتار وگفتار وغیرہ میں جو اثرات واہداف جاوداں تھے وہ صرف انہیں کا نصیبہ تھا۔

مولانا ندیم الواجدی صاحب مرحوم کہنہ مشق مدرس بھی نہیں تھے، ہاں مدرسین کو کہنہ مشق اور طلبہ کو بصیرت افروز بنانے میں ان کا مفید مشورہ وتعاون شامل رہا کرتا تھا، وہ دارالعلوم دیوبند کے استاذ بھی نہیں تھے، مگر اساتذہ دارالعلوم دیوبند ان کے علم وتحقیق کے قدرداں رہے ہیں، اس سچائی کو بھی راہ دیجئے کہ عموماً اہل علم اداروں، عوام خواص کیا جلاسوں سے متعارف ہوتے ہیں، ان کے شاگرد یا معتقدین انہیں اونچائی عطا کرنے کا راست وسیلہ بنتے ہیں، مگر ندیم الواجدی صاحب کا معاملہ برعکس تھا، وہ کسی تدریسی ادارے یا شاگردوں کی فدائیت وغیرہ کے بغیر دیوبند جیسی جگہ اور علم وروحانیت کی پرنور فضا میں اپنی انفرادیت اور امتیازات واولیات کا سکہ بٹھانے میں پوری طرح کام یاب رہے، یہ ان کے فکر وفن، علمی رسوخ اور جاں کاہی کا کمال ہے۔

بہر حال! انسان میں جب ثبات واستقلال، خود اعتمادی اور جاں کاہی کا جذبہ ہو تو وہ ایک دن ویرانے میں بھی ''گل ولالہ'' اگا لیتا ہے اور ''بھیڑ'' میں بھی اپنی شناخت وپہچان بنا لیتا ہے، میری نظر میں اس راہ کے دو راہی ایسے رہے ہیں، جنہوں نے علمی دنیا کو خوب فیض یاب کیا ہے، ایک نام حضرت مولانا مفتی محمد ظفیر الدین صاحب مفتاحی سابق مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند اور دوسرا معتبر نام حضرت ممدوح مولانا ندیم الواجدی دیوبندی کا لکھ دیجئے!۔ خدا رحمت کند

فاروق اعظمی

غزل

بکھرے ہوئے ہیں بال سنوارے نہیں گئے
منجدھار میں ابھی ہیں کنارے نہیں گئے
تصویر تیری آج بھی ہے آئینے میں قید
لیکن شکستہ دل کے خسارے نہیں گئے
مصروفیت میں دن یہ گزرتے چلے گئے
فرصت ملی تو دن یہ گزارے نہیں گئے
اس بات کا ملال رہے گا تمام عمر
سب سے ملے ہم اس کے دوارے نہیں گئے
تم مجھ سے پوچھتے ہو مری رائے تو سنو
ہم دشمنوں کے وار سے مارے نہیں گئے

ریحانہ انصاری MPCII، گورنمنٹ سٹی کالج حیدرآباد

شاعرِ اسلام حضرت امجد حیدرآبادی

شاعرِ اسلام سیّد احمد حسین امجد حیدرآبادی (۱۸۸۵ء-۱۹۶۱ء) اپنی رباعیات کی وجہ سے ایک خاص شہرت رکھتے ہیں۔ انہیں بچپن سے شاعری کا شوق تھا۔ ان کے والد صوفی سید رحیم علی بڑے خدا رسیدہ بزرگ تھے۔ انہوں نے ملک کی مشہور دینی درس گاہ جامعہ نظامیہ حیدرآباد سے تعلیم حاصل کی۔ انہوں نے غزلوں اور نظموں کے علاوہ حمد و نعت اور مناجات بھی کہیں، لیکن رباعی گوئی میں انہیں خاص شہرت حاصل ہوئی۔ انہوں نے معاشرہ کی اصلاح اور صالح اقدار کی ترسیل کے لئے اپنی رباعیات کو وسیلہ کے طور پر بڑے مؤثر انداز میں پیش کیا۔

امجد حیدرآبادی نے اخلاقی، اصلاحی اور مذہبی موضوعات کو اپنی رباعیوں میں جگہ دی۔ مذہب کا پاس ولحاظ اور اقدار کی پاس داری ان کی رباعیوں کی خصوصیات ہیں۔ اخلاقی نکات اور قرآنی آیات کی تفہیم وتوضیح ان کی رباعی گوئی کا اٹوٹ حصہ ہیں۔ ان کی رباعیوں میں خوفِ خدا، اتباعِ رسول، حبِّ نبی، صداقت، خلوص، خودداری، توکل، قناعت اور فکرِ آخرت کے عناصر نمایاں ہیں۔

امجد نے خدائی احکام اور اللہ کے رسول کی سیرت وکردار کو اپنی رباعیات میں پیش کیا۔ ان کی رباعیات قرآن وحدیث کی ترجمانی کرتی ہیں۔ ان کی فکر اسلامی فکر تھی۔ ان کی شاعری میں درد، تڑپ اور ایک پیغام نظر آتا ہے۔ ان کی شاعری مقصدیت پر مبنی شاعری ہے۔ ان کی زبان عام فہم اور فکر پختہ ہے۔ وہ ایک تعمیری اور صالح ادب کے نقیب ہیں۔ انہوں نے انسانیت کو اس بھولا ہوا سبق یاد دلایا ہے۔ ان کی رباعیات میں زبان کا استعمال بہت ہی دل کش اور مؤثر ہے۔ وہ عام بول چال کی زبان میں گہرے خیالات پیش کرتے ہیں۔ جس کی وجہ سے ان کی شاعری عام لوگوں کے دلوں میں بھی گھر جاتی ہے۔ ان کی شاعری میں سادگی اور حسن کا حسین امتزاج پایا جاتا ہے۔ امجد کی رباعیات میں محبت، حیات، موت، فراق اور فلسفۂ زندگی جیسے موضوعات بار بار آتے ہیں۔ وہ عشق کی شدت، انسانی جذبات کی پیچیدگی اور زندگی کی عارضیت کو بڑی مہارت سے بیان کرتے ہیں۔ ان کی شاعری میں عشق کا درد اور وجود کی تڑپ نمایاں ہے، جو پڑھنے والے کو ایک منفرد تجربے میں مبتلا کرتی ہے۔ ان کی رباعیات نے اردو ادب پر گہرے اثرات چھوڑے ہیں۔

غرض امجد حیدرآبادی نے صنفِ رباعی میں کثرت سے طبع آزمائی کر کے اس صنف کے وقار کو بلند کیا۔ بقولِ فرمان فتح پوری ''امجد اول وآخر رباعی گو شاعر ہیں''۔ ان کے کلام کی انفرادیت کی وجہ سے ان کو ''سرمدِ ثانی'' اور ''شہنشاہِ رباعیات'' کے خطابات سے نوازا گیا۔ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی نے ان کو ''حکیم الشعراء'' کا لقب دیا۔ ہم انہیں ''شاعرِ اسلام'' کے لقب سے بھی یاد کر سکتے ہیں۔

☆☆☆

سید عظمت اللہ بیابانی۔حیدرآباد

1950ء کی دہائی

اراکینِ بلدیہ کا خوف اتنا تھا کہ ہم ان سے بچتے بچاتے اپنے کام انجام دیا کرتے تھے، خاص طور سے جب کہ ہم انگلینڈ (برطانیہ) کی بنی ہوئی زیبرا (Zebra) سیکل پہ ہوتے ہوں بلدیہ کا ٹیکس ٹوکن بہت ضروری ہوتا تھا اور اس کی قیمت بھی بآسانی دی نہیں جاسکتی تھی۔ اُن دنوں حالانکہ رقم معمولی سی رہتی تھی، لیکن اُس کی قیمت بھاری ہوتی تھی۔ پولیس سے ڈر لگا رہتا تھا لیکن پھر بھی عاجزی سے پیش آنے پر مشکلات نہیں پیدا ہوتی تھیں۔ بلدیہ کے اراکین حالانکہ جان بوجھ رکھنے والے تھے پھر بھی اُن کو مہینہ کا ٹارگٹ متعین کیا جاتا تھا۔

بعض اوقات ولی احمد باؤلی کے پیچھے سے زلیخا بی مسجد پر سے ہوتے ہوئے مدراسی روڈ پر قائم اسکول جانا پڑتا تھا تاکہ اِن گلیوں میں بلدیہ کے اراکین سے بچ سکیں۔ اسکول دو منزلہ عمارت تھی جس کے درمیان میں اوپری منزل پر چڑھنے کے لئے ٹخنوں کے سیڑھیاں لگی ہوئی تھیں۔ اس عمارت کے پیچھے بہت وسیع فٹ بال اور ہاکی کا میدان تھا۔

اسکول کے اوقات شروع ہونے سے پہلے اسمبلی ہوا کرتی تھی جس میں اکثر جناب جلال کڑپوی جو اُن دنوں صوبہ کیرلا میں پروفیسر تھے، اُن کی لکھی ہوئی نعت شریف حضرت برقؔ کڑپوی اپنے دل کو موہ لینے والی قراءت سے طلباء اور اساتذہ کو موہ لیتے تھے۔ اُن دنوں اسکول مانیٹر مُلّا ابراہیم صاحب جو اسکول کے آخری سال کے طالب علم تھے۔ ہاکی کے کھیل میں محی الدین صاحب کا نام آگے آگے تھا، اسی طرح فٹ بال میں شہاب الدین صاحب کا نام۔ اسکول کے ہیڈ ماسٹر عالیجناب ابراہیم صاحب تھے اور ان کے بعد جناب ملک محی الدین صاحب تھے۔ اسکول کے نظام کو بہتر طریقے سے چلانے کے لئے جناب ملک محی الدین صاحب کو رہائش کا مکان اسکول کے میدان کے احاطہ میں دیا گیا تھا۔ اِن پڑھانے والے بزرگ ہستیوں کی کتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔ اس اسکول کے سلسلہ میں یہ کہنا بے محل نہیں ہوگا کہ مہاتما گاندھی اپنی حیات میں اس اسکول کا معائنہ کیا تھا۔ اس دہائی میں جناب سرور ڈنڈا اور سلیمان خطیب نے اسکول آکر پذیرائی کی۔ سرور ڈنڈا اپنے مخصوص انداز سے اپنے ڈنڈے کو اپنے ہاتھ میں پہنی ہوئی لوہے کی کڑیوں سے ٹکراتے ہوئے دل موہ لینے والے انداز سے اساتذہ اور طلباء کو اپنا گرویدہ کرلیا۔

مہاتما گاندھی جی نے بغیر تشدد کے بہت سے کارنامے انجام دئے۔ کھادی اور سوت کو برطانیہ کے ملبوسات پر ترجیح دی۔ آپ تعلیم کے بعد نیم برہنہ رہنا پسند کیا۔ اِن کھادی کے ملبوسات کی صفائی اور ان میں سفید چمک لانے کے لئے اُن دنوں ''نیل'' کا استعمال ہوا کرتا تھا۔ نیل ایک قسم کا قدرتی نیلا رنگ ہوتا ہے۔ اس کے پودے ہوتے ہیں۔ یہ ایک گھریلو صنعت ہوا کرتی تھی۔ یہ پودے جب اُن کے وقت پر کاشت کئے جاتے تھے دو بیل کے بنڈیوں پر لادے کھیتوں سے اُن صنعتوں کی طرف لے جایا کرتے تھے۔ جب کبھی NCC

کی پیریئڈ ہوا کرتی تھی، صبح صبح امین پیر روڈ سے ہوتے ہوئے نقاشی کے قریب سے پرانے کڈپہ کے راستے کو یاد کرتے ہوئے فرنگی قبرستان تک یہ بنڈیال جایا کرتی تھیں۔ ہم NCC کے لئے پرانے کڈپہ کے راستے کو کاٹتے ہوئے اسکول کے میدان سے ہوتے ہوئے NCC پیریئڈ میں شامل ہوتے تھے، اب کھادی اور سوت کے علاوہ نیل کا گھریلو صنعت یکرم تقریباً غائب ہوگئی۔ یہاں تک کہ ملک کا علَم تک بھی پالیسٹر، وہ بھی چائنا کا بنا ہوا، استعمال میں آرہا ہے۔

سنیما بینی کا شوق قدیم شقوقوں میں سے ایک شوق ہے، سنیما تھیٹر تمبوؤں (tents) میں بھی ہوا کرتے تھے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے فلم ''برسات'' چل رہی تھی۔ اس ٹنٹ میں جو پرانے بس اسٹانڈ کے قریب تھا، اتفاقاً فلم کے دوران بہت زور کی بارش ہونے لگی۔ ہم نے جو کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے، اس کو اٹھا کر سر چھپانے کے لئے چھاتے کا کام کیا۔

اُن دنوں سرکسی بھی عام ہوا کرتی تھی۔ جمنی (Gemini) سرکس بہت مشہور ہوا کرتا تھا۔ کئی جانوروں کو دیکھنے کا موقعہ ملتا تھا۔ یہ بات اُن دنوں ہم طلباء میں مشہور تھی کہ ہاتھی کا جو فضلہ (Excreta) کو قدموں سے کھندلا جائے جس کے نتیجے میں آئندہ کبھی پاؤں میں درد کی شکایت نہیں آئے گی۔ خیر یہ تو بات جانوروں کی تھی۔ اب دیکھئے سرکس میں بہت سارے کرتب دکھائے جاتے تھے۔ سب سے حیران کرنے والا کرتب یہ تھا کہ کرتب کرنے والا گلاس کے بنے ہوئے ڈونگے برتن میں جس میں زندہ مچھلیاں پانی میں تیرتی ہوئی نظر آتی ہیں، سامعین کے سامنے گھوم گھوم کر یہ کانچ کا برتن جس میں رنگ برنگی مچھلیاں تیر رہی ہوتی ہیں، کو بتلاتے ہوئے، پانی مچھلیاں سمیت نکلتا ہے۔ نکلنے سے پہلے مچھلی کو منہ میں دانت سے پکڑے ہوئے سامعین کو بتاتا ہے جس میں مچھلی اپنی تڑپ سے اپنے آپ کو بے قراری ظاہر کرتی ہے، یہ پورا پانی اور مچھلیاں نگلنے کے بعد یہ خالی کانچ کا ڈونگے برتن کو پھر بتاتا ہے۔ کچھ دیر بعد پھر یہ کرتب دکھانے والا اپنے منہ سے پانی کے ساتھ ساتھ یہ تڑپتی ہوئی مچھلیوں کو بھی بتلاتے ہوئے اُس کانچ کے ڈونگے برتن میں اپنے منہ سے اگلتا ہے۔ جتنی مچھلیاں نگلی گئی تھیں، اتنی مچھلیاں اُس نے اُس کانچ کے ڈونگے برتن میں اُگل دیں۔ ایسے کرتب دکھانے والے شاید ہی اب باقی ہوں۔

اِسی اسکول میں ایک کرتب SSLC کے طالب علم کرتے تھے۔ اس کرتب ک جاننے کے بعد اِس پر یقین کرنے کے لئے قارئین کرام تامّل کریں گے۔ ایک طالب علم کو آنکھ پر پٹّی باندھ کر نیچے زمین پر لٹا کر نیم برہنہ حالت میں لٹا دیا جاتا اور اِن کے پیٹ پر پانی کی دو چار پتیاں رکھتے ہوئے اِن پان کے پتوں پر ایک عدد کیلا رکھ کر یہ کرتب دکھانے والے SSLC کے طالب علم اپنی آنکھ پہ پٹّی باندھ کر، ہاتھ میں تیز تلوار لئے، تلوار کو گھماتے ہوئے اور خود گھومتے ہوئے، وہ تلوار لیٹے ہوئے طالب علم کے پیٹ پر رکھے ہوئے کیلے کے دو ٹکڑے کر دیا کرتے تھے اور اس تلوار سے کرتب کرنے والے جناب محمد غوث خاں تھے۔

بند کمرے کی تعلیم کے علاوہ قدرتی مناظر کے معلومات حاصل کرنے "Educational tours" بھی ہوا کرتے تھے۔ اسے عام زبان میں ''باغ عائشہ'' بھی کہتے ہیں۔ اسکول سے قریبی مقامات جیسے پالکنڈہ، خاص باغ اور گولچور کی گھاٹ جیسے مقامات پر لے جایا کرتے تھے۔ شرارت بھی ایک ایسی حرکت ہے جس سے سبق حاصل کرنے کا موقعہ

ملتا ہے۔ چنّور ایک قریبی مقام ہے جہاں سے ریت سے لدی ہوئی اور اکسی کے پتوں اور خربوزوں سے لدی ہوئی بیل گاڑیاں آیا کرتی تھیں۔ گاڑی بان اپنی جگہ سے نکلنے کے بعد گاڑی میں اکثر سوجایا کرتے ہیں۔ ایک آدھ دفعہ ایسا بھی ہوا کہ ایسی گاڑی جس میں گاڑی بان سورہا ہوتا ہے، اس گاڑی کا رُخ پلٹ دیتے ہیں۔ نتیجے میں یہ بنڈی جہاں سے نکلی اُسی جگہ واپس پہنچ جاتی ہے۔ ان بنڈیوں کا نکلنا صبح فجر سے پہلے ہوتا ہے اور سورج نکلنے تک اپنے مخصوص جگہ پہنچ جاتی ہیں۔

ACC اور NCC کے ذریعہ ہم کو ڈسپلن (Discipline) سیکھنے کا موقعہ ملا۔ NCC کے کیمپس (Camps) میں اسکول کے علاقہ سے الگ دور گاؤں میں دس دس دن کے لئے ہوا کرتے تھے۔ ان کیمپوں میں رہن سہن، اٹھنا، بیٹھنا، کھانا پینا اور وقت کی پابندی کے علاوہ اپنے آپ کو صاف ستھرا رہنے کی تعلیمات سے مستفیض ہونے کا موقع ملا۔ تمبو (Tent) کو ٹھہرانے اور سجانے کے علاوہ خناطوں کو لگانے کا ہنر بھی سیکھنا پڑا۔

فٹبال گراؤنڈ (میدان) میں ایک گول کے کھمبے سے دوسرے گول کے کھمبے کا فاصلہ میں دس طلباء کو ٹھہرایا جاتا تھا۔ ایک طالب علم سی دوسرے طالب علم کے درمیانی فاصلہ برابر کا ہوا کرتا تھا۔ یہ کیفیت پہلے طالب کو زبانی سنائی جاتی تھی اور اس کیفیت کو اپنے دوسرے ساتھی کو جتلائے اور دوسرا ساتھی تیسرے کو۔ اسی طرح جو کیفیت پہلے طالب علم کو دی گئی وہ دسویں طالب علم جو فٹبال میدان کے دوسرے گول کے کھمبے کے پاس ٹھہرایا ہوا ہے، پہنچتے پہنچتے بدل جاتی ہے۔ جسمانی تربیت کے علاوہ دماغی صلاحیتوں کو نکھارنے کے لئے اس Exercise کا بڑا دخل ہوتا ہے۔

جہانگیر قیاس۔ حیدرآباد

غزل

آیا جو مجھ پہ وقت میں پہچان تو گیا
ہمدرد میرا کون ہے یہ جان تو گیا

کرلی ہے اپنے نام ہی رسوائیاں سبھی
پھر بھی خفا ہے ہم سے وہ احسان تو گیا

انگلی کو کلمے کی مرے ٹریگر پہ دیکھ کر
دشمن خود اپنی موت کو پہچان تو گیا

کیا فائدہ ہوا ہے ہمارے سلوک سے
ناراض ہو کے ہم سے وہ مہمان تو گیا

بدلہ جو وقت فائدہ کچھ تو ہوا ہمیں
دل سے ہمارے درد کا طوفان تو گیا

کھا کر قسم بھی آپ نہیں آئے ہیں مگر
جھوٹی قسم سے آپ کا ایمان تو گیا

بے چین کرتا رہتا تھا جو مجھ کو اے قیاسؔ
اچھا ہوا کہ دل سے وہ ارمان تو گیا

ڈاکٹر ناظر حسین خان۔شعبۂ اردو کرائسٹ چرچ کالج دی مال، کانپور (یوپی)

پری ناز اور پرندے- ایک تنقیدی مطالعہ (چوتھی قسط)

رواں کرداروں کا کام نکل جانے کے بعد موت کا اتفاق:

اس زمرے میں سب سے پہلے شبریز اور شاچہ کی موت کے اتفاق کا ذکر کریں گے۔ ان کی موت کا واقعہ بتاتے ہوئے عالیہ بیگم کہتی ہیں:

''ہمارے یہاں ایک اور پہاڑی مینا تھی۔۔۔ 'شبریز'۔ دو مہینے پہلے جو مری ہے اس کی بہن سمجھ لو۔ دونوں کے پنجرے الگ الگ تھے۔ ایک دن شبریز کا پنجرہ صحن میں رہ گیا۔ رات میں بلی نے آکر اس پر حملہ کر دیا۔ وہ پنجرے پر بہت دیر تک اپنے پنجے مارتی رہی۔ کبھی وہ اسے الٹ دیتی، کبھی لڑھکاتی کبھی سیدھا کر دیتی۔ اسی الٹنے پلٹنے میں اس نے شبریز کو اپنے پنجوں سے زخمی کر دیا۔۔۔ میں نے اسی وقت ان زخموں پر مرہم لگایا اور شبریز کو پنجرے میں ڈال کر پنجرہ اپنے سرہانے رکھ لیا۔ شبریز اپنے پنجرے میں خاموش پڑی رہی لیکن شاچہ جو ابھی دو مہینے پہلے مری ہے، رات بھر پنجرے میں شور کرتی رہی۔ صبح ہوتے ہوتے شاچہ بھی خاموش ہوگئی اور اس نے وہ بول بھی نہیں بولے جو فجر کے وقت ہمیں جگانے کے لیے وہ روز بولتی تھی۔ شبریز۔ دو۔ تین دن زندہ رہ کر انہیں زخموں کی تکلیف میں چل بسی۔ اس کے مر جانے کے بعد شاچہ ایسی ہڑکی کہ دانہ پانی سب چھوڑ دیا۔ میں اسے بہت چمکارتی، اس کے پروں کو سہلاتی، نئے نئے بول پڑھاتی لیکن وہ منھ سے کچھ نا بولتی۔ حضورن اس کے پنجرے کے پاس جا کر بار بار کہتی: شاچہ دانہ کھالو، لیکن وہ دانے کی طرف سے منھ موڑ لیتی۔ کئی دن اسی طرح گزر گئے۔ پھر ایک روز حضورن نے صبح صبح جب میں نماز کی چوکی سے اٹھ رہی تھی آکر بتایا: 'بیگم صاحب شاچہ مرگئی۔'' ص۔۱۰۷

ان دونوں پرندوں میں آپس میں بہت محبت تھی اسی لیے شاچہ، شبریز کی موت کا غم برداشت نہیں کر سکی اور شبریز کے مرنے کے بعد وہ بھی چل بسی۔ اور ان دونوں پرندوں سے عالیہ کا بہت لگاؤ تھا۔ وہ ان دونوں کی موت کا صدمہ برداشت نہیں کر سکیں اور ان کے غم میں عالیہ بیگم بھی چل بسیں۔ ناول نگار نے نہ صرف پرندوں کو محبتی دکھایا ہے بلکہ انسان بھی اپنے پرندوں کے غم میں کہیں سے بھی پیچھے نہیں ہے۔ عالیہ بیگم کی جان پرندوں کے ہی غم میں گئی اس بات کا اقرار راوی بھی کرتا ہے، راوی قصہ لکھنے والے کو عالیہ بیگم کی موت کا واقعہ بتاتے ہوئے کہتا ہے:

''عالیہ بیگم اب نہیں رہیں۔'' میں نے انہیں بتایا۔

''اناللہ۔ یہ کب؟''

''کچھ دن پہلے اور یوسف مرزا بھی۔۔۔ حالت ان کی ٹھیک نہیں ہے''

''تو سلطان جہاں۔۔۔کیسے ہوا ان کا انتقال؟''

''اولاد کوئی نہیں تھی ۔ آپ کو تو معلوم ہوگا ۔ دو چڑیاں پالی تھیں، پہاڑی مینائیں۔ انہیں اولاد کی طرح چاہتی تھیں۔ ایک مری تو اس کے دکھ میں دوسری بھی نہیں رہی اور عالیہ بیگم دونوں کے دکھ میں چل بسیں۔'' ص۔۲۱۲

یہاں ایک بات توجہ طلب ہے کہ عالیہ بیگم تو چل بسیں لیکن دونوں پنجرے جن میں شبریز اور شاچہ رہتی تھیں ان کو فرش آرا کو دینے کے بعد ان کی وفات ہوئی ہے۔ واقعی عالیہ بیگم کو ان پرندوں سے بہت محبت تھی تبھی تو ان کے مرنے کے بعد بھی ان کا پنجرہ اپنے پاس رکھا تھا، جب فرش آرا نے عالیہ بیگم سے وہ پنجرہ مانگا:

''شبریز اور شاچہ کے پنجرے اگر آپ کے پاس رکھے ہوں تو مجھے دے دیجیے۔'' ص۔۱۱۱

تو عالیہ بیگم نے جواب دیا:

''ان پنجروں کو خود سے الگ کرنا آسان نہیں ہے۔'' ص۔۱۱۱

عالیہ بیگم کی یہ آخری خواہش بھی تھی کہ اس میں شبریز اور شاچہ کے بعد اگر کوئی دوسرے پرندے رکھے جائیں تو وہ پہاڑی مینا ہی ہوں۔ فرش آرا سے اس کا ذکر کرتے ہوئے عالیہ بیگم کہتی ہیں:

''اِن میں پہاڑی مینائیں ہی رکھنا اور انہیں وہی بول پڑھانا جو شاچہ پڑھتی تھی۔'' ص۔۱۱۲

عالیہ بیگم کی یہ خواہش شدت سے تھی اسی لیے جب فرش آرا پنجرہ لے کر جانے لگیں تو اس وقت ایک بار پھر عالیہ بیگم نے فرش آرا کو یاد دلایا:

''کچھ دیر پہلے جو کچھ میں نے کہا تھا یاد ہے۔''

''جی یاد ہے۔ دونوں میں پہاڑی مینائیں رکھوں گی''

''اور دونوں کو وہی پڑھانا جو اس تختی میں لکھا ہے، دونوں ایک ساتھ پڑھیں گی تو بہت اچھا لگے گا اور عالیہ بیگم اس دنیا میں ہوں نہ ہوں تمہیں یاد رہیں گی۔'' ص۔۱۱۶

عالیہ بیگم کی یہ آخری خواہش تھی کہ اگر ان پنجروں میں کوئی پرندہ رہے تو وہ صرف اور صرف پہاڑی مینا ورنہ یہ پنجرہ خالی رہے، پنجرہ فرش آرا کو دینے کے بعد عالیہ بیگم کی خواہش پوری ہوتی ہے اور اس کے چوتھے دن ہی وہ انتقال کر جاتی ہیں۔ جب راوی اور فرش آرا، عالیہ بیگم سے ملنے دوبارہ ان کے گھر ان کے دیے ہوئے دونوں پنجرے میں دو مینائیں لے کر پہنچے اس وقت ان کو یہ بری خبر ملی۔ عالیہ بیگم کے شوہر نے بتایا:

''تم دونوں نے آنے میں دیر کی ۔ عالیہ بیگم نہیں رہیں۔ جس دن تمہیں پنجرے دیے تھے اسی کے چوتھے دن، شاید چوتھا ہی دن تھا، مرجانے والی اپنی چڑیوں کو یاد کرتی ہوئی اس دنیا سے چلی گئیں۔'' ص۔۱۹۲

یعنی کہ اپنے حصے کا کام پوری طرح سے انجام دینے کے بعد اس دنیا سے رخصت کر گئیں۔ اسی طرح اموات کی اگلی کڑی میں اگلا نام عالیہ بیگم کے نوکر کا ہے۔ عالیہ بیگم کا نوکر بہت زمانے سے ان کے یہاں ملازم ہے:

''فرش آرا ان مکانوں میں سب سے پہلے والے مکان کی بہت پرانی ڈیوڑھی میں داخل ہوئیں تو وہاں ڈھیلی ادوان والے بانس کے ایک پلنگ پر

ایک بہت بوڑھا آدمی لپٹے ہوئے بستر سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔اسی جھول والے پلنگ کے پہلو میں چٹائی پر ایک بوڑھی عورت بیٹھی تھی جو شاید پلنگ پر بیٹھے ہوئے آدمی کی بیوی تھی اور بار بار اپنی بجھ جانے والی بیڑی کو جلا جلا کر لمبے لمبے کش لے رہی تھی۔'' ص۔۱۰۳۔۱۰۴

اس انداز کو دیکھ کر یہ احساس ہوتا ہے کہ دونوں ایک مدت سے یہاں تشریف فرماں ہیں۔دوران گفتگو بڑھیا اس بات کا اقرار بھی کرتی ہے۔اپنا تعارف پیش کرتے ہوئے کہتی ہے:

''میاں بیوی ہیں۔یہ حویلی انہیں کی ہے۔ہم ان کے پرانے نوکر ہیں۔۔۔'' ص۔۱۰۴

ویسے تو ان دونوں بزرگ نوکروں میں بوڑھے نوکر کی کوئی ضرورت اس ناول میں دکھائی نہیں دیتی۔بس باہر بیٹھ کر اندر بیٹھے اپنے مالکن اور مالک عالیہ بیگم اور یوسف مرزا کی شخصیت کے تعارف میں بوڑھے کا کردار نظر آتا ہے۔یہ کام تو بُڑھیا بھی کر سکتی تھی مگر بُڑھیا کو اکیلے باہر بیٹھانا مناسب نہیں تھا، اس لیے بُڑھیا کے ساتھ ان کے شوہر بوڑھے آدمی کو رکھا گیا تا کہ جب راوی اور فرش آرا ادھر آئیں تو بڑھیا بوڑھے کے ساتھ بیٹھی ملے۔بوڑھے انسان کا کام یہاں ختم ہو جاتا ہے کیوں کہ اب فرش آرا کو اندر جانے کے لیے کسی بوڑھے یا بوڑھیا کی ضرورت نہیں، انہیں ناول نگار نے عالیہ بیگم سے پہلے ہی ملاقات میں زیادہ قربت دکھا دی بلکہ عالیہ بیگم کو فرش آرا کا خالہ بھی بنا دیا۔اب ایسے میں عالیہ بیگم کے گھر کے اندر جانے کے لیے کسی نوکر کی ضرورت نہیں ہے، اس لیے راوی اور فرش آرا سے عالیہ بیگم کے گھر پر اگلی ملاقات میں انیس اشفاق نے اس نوکر کے کام کے ساتھ ساتھ اس کا کام بھی تمام کر دیا:

''تھوڑی دیر بعد میں اور فرش آرا میناؤں کا ایک ایک پنجرہ اپنے ہاتھوں میں لیے ایلچ خاں کے میدان کی طرف چل پڑے۔وہاں پہنچ کر جب ہم یوسف مرزا کی ڈیوڑھی میں داخل ہوئے تو ہمیں بانس کا وہ پلنگ نظر نہیں آیا جس پر جب ہم پچھلی بار آئے تھے ایک بوڑھا لپٹے ہوئے بستر سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔آبادی بوا بھی اس دیوڑھی میں نہیں تھیں۔'' ص۔۱۹۱

(اب چوں کہ بوڑھے جناب نہیں ہیں تو بڑھیا بھی اندر ہے، اسی لیے ناول نگار نے پہلی مرتبہ کے ملاقات میں بوڑھے کو باہر دکھایا تھا کیوں کہ بڑھیا اکیلے باہر نہیں بیٹھ سکتی۔بڑھیا کو اکیلے باہر بیٹھانا ادب کے خلاف تھا) آگے کی گفتگو میں بوڑھے کی موت کی وضاحت ہوتی ہے:

''جو بوڑھے یہاں پلنگ پر بیٹھے رہتے تھے۔۔۔''

''جس دن بیگم صاحب مری ہیں، اسی کے دوسرے دن وہ بھی۔۔۔پلنگ پر لیٹے لیٹے آنکھ بند ہو گئی۔'' ص۔۱۹۵

یہ بھی عجیب اتفاق ہے، یہاں بھی عالیہ بیگم کے مرنے کے دو دن بعد ہی نوکر کا بھی انتقال ہو جاتا ہے۔

اس سلسلے میں اگلی باری بابا کا ہے۔بابا ایک مدت تک حیات سے تھے۔ایک عرصے سے جنگل اور دریا پر اِدھر اُدھر بھٹک رہے تھے، مگر کالے خان کا قصہ لکھنے والے کی تلاش کامیاب ہونا، فرش آرا کے لیے ۴۰ میناوں کا خواب پورا کرنا اور فرش آرا کی شادی کی بات راوی سے کہنے کے ساتھ ہی

ان کا بھی انتقال ہو جاتا ہے۔ جب راوی بابا کو تلاش کرتے ہوئے کھنڈ ہر کی طرف جاتا ہے تو ٹھیکے دار نے راوی کو دیکھتے ہی کہا:

''اچھا ہوا تم آ گئے۔ ہم پریشان تھے مرے ہوئے بوڑھے کو کہاں لے جائیں۔''

''کیا۔۔۔!! بابا مر گئے؟'' میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔

''جاؤ کوٹھی کے اندر مرے پڑے ہیں۔'' ص۔۲۵۹

طاؤس چمن کی طرح فرش آرا کے لیے بھی ۴۰ میناؤں کا انتظام کرنا بابا کا خواب تھا، جس دن بابا ۲۵ میناؤں کا انتظام کر کے پورے ۴۰ مینا کر دیے اس دن ان کی یہ خواہش پوری ہوتی ہے اور اب انہیں مرنے کا بھی افسوس نہیں ہے۔ اس سلسلے میں یہ اقتباس ملاحظہ کریں جس میں ارجن ملاح بابا کی بات راوی کو بتاتا ہے:

''دو دن بعد میں دریا پر گیا تو ارجن ملاح مجھے دیکھتے ہی بولا:

''تم جس دن آئے تھے بابا اسی دن چڑیاں لے آئے تھے۔ وہ دیکھو اُدھر۔ پانچ پنجرے رکھے ہیں۔'' اس نے جھونپڑی کے ایک کونے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''ہر پنجرے میں پانچ مینائیں ہیں۔ دو دن سے میں انہیں دانہ پانی دے رہا ہوں۔''

''کیوں بابا کہاں ہیں؟''

چڑیوں کو دانہ پانی دے کر چلے گئے۔ جاتے جاتے میں نے اتنا سنا۔۔۔''

''کیا سنا۔۔۔؟''

''فرش آرا کی خوشی پوری ہوئی۔ اب میں سکون سے مر سکوں گا۔'''' ص۔۲۵۷

اس مثال سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ فرش آرا کی خوشی پوری کرنے کے بعد انہیں مرنے کا افسوس نہیں رہے گا۔ مرنے سے پہلے اپنی آخری خواہش کی شکل میں راوی کے ساتھ فرش آرا کی شادی کی بات بھی ایک کاغذ کے ٹکڑے میں لکھ کر کہہ جاتے ہیں:

''۔۔۔ان کے داہنے ہاتھ کی بند مٹھی میں کاغذ کا ایک ٹکڑا دبا ہوا تھا۔ میں نے کوشش کر کے ان کی مٹھی کھولی اور کاغذ کے اس ٹکڑے کو نکال کر کھولا۔ اس میں لکھا تھا:

''عزیزم شہزاد!

میں خوش ہوں کہ مجھے پچیس مینائیں مل گئیں۔ فرش آرا کے طاؤس چمن میں اب اتنی ہی مینائیں ہوں گی جتنی اس کے نانا والے چمن میں تھیں۔ مینائیں ملنے سے زیادہ مجھے اس کی خوشی ہے کہ فرش آرا تمہارے ساتھ خوش ہے۔ تم دونوں کو پرندوں سے بڑی محبت ہے۔ دونوں ایک ساتھ رہو گے تو یہ محبت اور بڑھے گی۔۔۔'''' ص۔۲۵۹

حالاں کہ اس سے پہلے بھی بابا دوران گفتگو اشاروں میں راوی سے یہ بات کہہ چکے ہیں:

''کل فرش آرا سے ملو گے؟''

''نہیں۔ میں نے ان سے کہہ دیا تھا۔''

''کیا کہہ دیا تھا؟''

''چار دن وہ اپنے گھر پر رہیں، اپنے پرندوں کے پاس۔ بتا دیا تھا میں بابا کے ساتھ کاکوری والے جنگل جاؤں گا۔ دور سے آنے والی چڑیوں کو دیکھنے

اور یہ بھی کہہ دیا تھا اس کے بعد ملیح آباد کی جھیلوں کی طرف جاؤں گا اور اس سے آگے بھی۔'' ص۔۱۸۶

اس کے بعد کی گفتگو ملاحظہ کریں جس میں ناول نگار نے بہت ہی چالاکی سے ایک پاگل دِکھنے والے بابا سے یہ بات کہلوائی ہے:

''یہ سن کر بابا چپ ہو گئے۔ کچھ دیر بعد بولے:

''تمہیں پرندوں سے بہت کچھ سیکھنا ہے۔''

''میں سمجھا نہیں۔''

''جب وہ ساتھ رہنے لگتے ہیں تو۔۔۔۔''

''تو۔۔۔؟''

''الگ رہنا انہیں اچھا نہیں لگتا۔'' ص۔۱۸۶

شاید ناول کا یہ ہیرو نادان اور نہایت شریف ہے کہ جس کا اقرار راوی خود کرتا ہے۔ جب قصہ لکھنے والا راوی سے سوال کرتا ہے کہ:

''تم نے فرش آرا کی آنکھیں غور سے دیکھی ہیں؟''

''نہیں۔ ہم دونوں ایک دوسرے سے نظر ملا کر بہت کم بات کرتے ہیں۔'' ص۔۲۶۷

اسی لیے تو بابا کا اشارہ سمجھ نہیں پاتا۔ جب بابا کے اشاروں کا جواب نہیں ملتا تو آخر میں مرنے کے بعد ایک رقعہ کے ذریعے وہ اپنی بات کہہ دیتے ہیں۔ اس اعتبار سے دیکھیں تو بابا کے ذریعے تمام وہ کام جو فرش آرا، فلک آرا اور راوی کے بھلے کے لیے تھے وہ سب پورا کرانے کے بعد مذکورہ کردار کو بھی انجام تک پہنچا دیا جاتا ہے۔

فلک آرا کی موت بھی کچھ اسی طرح کی ہے۔ بابا کی طرح فلک آرا کی بھی یہی خواہش ہے، مثلاً طاؤس چمن میں کیا ہوا تھا، اپنے گھر میں طاؤس چمن کی طرح ۴۰ میناؤں کو رکھنا (یہ ماں اور بیٹی دونوں کی خواہش تھی) اور فرش آرا کی شادی وغیرہ یہ سب دیکھنے کے بعد ایک دن ان کی بھی روح نکل جاتی ہے:

''ایک دن جب ہم سو کر اٹھے اور جب فرش آرا اپنی ماں کو چائے دینے گئیں تو وہ تخت پر نہیں تھیں۔ وہاں صرف ان کا مصلّی بچھا ہوا تھا۔ فرش آرا چھپر سے باہر آئیں تو دیکھا فلک آرا پنجرے کے قریب ٹین کی کرسی پر بیٹھی ہیں اور ان کا سر پنجرے کی دیوار سے لگا ہے۔ فرش آرا ان کے قریب گئیں اور خفا ہوتے ہوئے بولیں:

''پھر نکل آئیں باہر۔ لیجیے چائے پیجیے۔''

لیکن فلک آرا نے کوئی جواب نہیں دیا نہ سر اٹھا کر فرش آرا کی طرف دیکھا۔ فرش آرا نے جب ان کا شانہ ہلایا تو وہ کرسی سے زمین پر آ رہیں۔ ان کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں اور ہاتھوں کی انگلیاں اکڑ چکی تھیں۔ ان کے داہنے ہاتھ کی انگلیوں میں وہ تسبیح جھول رہی تھی جس کی گردان کرتی ہوئی وہ اپنی میناؤں کو دیکھنے چھپر سے باہر آ گئیں تھیں۔ فرش آرا نے ایک زور کی چیخ ماری، ان کی چیخ سن کر جب میں پنجرے کے قریب پہنچا تو وہ مجھ سے لپٹ کر زور زور سے رونے لگیں۔'' ص۔۲۸۲

فلک آرا سے بھی ان کے حصے کا کام لے کر ناول نگار نے دیگر کرداروں کی طرح بہت ہی خاموشی اور سکون سے ان کو بھی ناول سے بیٹھے بٹھائے ہی باہر کر دیا۔

☆☆☆

متن کے آس پاس

ماہنامہ صدائے شبلی میں ہر ماہ ادارے کی طرف سے کتاب پر تبصرہ کیا جائے گا، اس لئے مصنفین، مولفین اور مرتبین سے گزارش ہے کہ وہ تبصرے کے لئے دوعدد کتابیں ضرور ارسال کریں۔ (ادارہ)

تبصرہ نگار: عبدالمنان صمدی

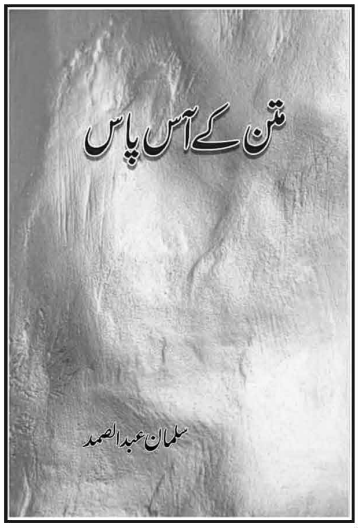

نام کتاب: متن کے آس پاس
موضوع: تنقیدی مضامین
اصل نام: عبدالصمد
قلمی نام: سلمان عبدالصمد
صفحات: ۳۳۲
قیمت: ۱۴۰
سنہ اشاعت: ۲۰۲۳
سرورق: ساجد حسین ندوی

ابھی کچھ ماہ قبل استاد محترم پروفیسر طارق چھتاری صاحب اپنا ایک افسانہ سنانے ان کے دولت کدہ پر گیا جس کا عنوان ''شرک'' ہے ابھی ایک ہی اقتباس کی قرآت کر پایا تھا، دفعتاً باہر کی دیوار پر لگے بیل کے بٹن کو کسی نے push کیا، استاد محترم نے اپنی سیٹ کھڑے ہوئے مجھے ٹہرنے کا اشارہ کیا ساتھ یہ کہتے ہوئے دروازے کی طرف چلے کہ شاید پروفیسر خورشید احمد صاحب ہیں، اور چند سکنڈ کے بعد پروفیسر خورشید صاحب استاد محترم کے ساتھ گھر میں داخل ہوئے۔ میں ادباً کھڑا ہوگیا دونوں حضرات نے مجھے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ پروفیسر خورشید احمد صاحب استاد محترم طارق چھتاری کی کرسی پر بیٹھے اور طارق صاحب میرے برابر والی کرسی پر طارق صاحب نے میرا تعارف پروفیسر خورشید احمد کو کرایا اور میری آمد کی وجہ بھی بتائی، پھر طارق صاحب نے مجھے افسانہ سنانے کو کہا پروفیسر خورشید نے ایک ہاتھ سے اپنے کان کو پکڑتے ہوئے مجھ سے کہا میاں بلند آواز سے پڑھیے گا ہم ذرا اونچی سنتے ہیں.. جی کہ کر میں نے افسانہ . شرک .. کی قرات شروع کردی..

دونوں حضرات نے میرا افسانہ بغور سنا اور اپنے اپنے نیک مشوروں سے مجھے نواز پروفیسر خورشید صاحب افسانے کے اسلوب اور اس کی لفظیات پر تقریباً ایک گھنٹہ بولے افسانہ کے اسلوب پر تو انہوں نے زیادہ کچھ نہیں کہا البتہ زبان کے متعلق انہوں کہا کہ افسانہ کی زبان اتنی معیاری نہیں ہوتی ہے جتنی آپ کی ہے۔ یہ افسانے کی نہیں مضامین کی زبان ہے۔

سلمان عبدالصمد سے میرا رابطہ فیس بک کے ذریعے ہوا میں اس وقت ایم اے کے آخری سال میں تھا جب .. ناول لفظوں کا لہو .. کا چرچا سوشل میڈیا پر کسی ہٹ فلم کے ڈائیلاگ کی طرح ہٹ ہو رہا تھا میں نے میسج کے ذریعے سلمان عبدالصمد سے رابطہ کیا اور ناول پڑھنے کی خواہش ظاہر

انہوں نے مجھے بھیجنے کی بات کہی لیکن کچھ ہی دنوں بعد میرا دہلی جانا ہوا میں نے سلمان عبدالصمد سے دہلی کے سفر کے بارے میں بتایا اور ان سے ملاقات کا وقت مانگا انہوں نے کہا JNU آجائیں، سلمان اس وقت JNU ایم فل کر رہے تھے، میں اپنے ایک جونیئر ساتھی عبداللہ فوزان جو اس وقت JNU میں ایم اے اردو کے طالب علم تھے ان کے ساتھ سلمان کے روم پہنچا، وہ سلمان سے پہلے واقف تھے، سلمان نے مجھے اپنا ناول ہدیہ کیا اور کچھ وقت گنگا ڈھابے پر جو JNU کا مشہور ڈھابہ ہے میرے ساتھ رہے۔

''لفظوں کے لہو'' کی قرآت کے بعد میں نے سلمان کو اچھے ناول لکھنے پر انہیں مبارکباد دی، بعد میں، میں نے ناول کے تعلق سے اپنے تاثرات قلم بند کیے اور ایم۔اے کے ہی سال میں، میں نے سلمان کے ناول پر تبصرہ کیا یہ میرا کسی بھی ناول پر یہ پہلا تبصرہ تھا۔ناول سے نئے لکھنے والوں میں سلمان کی خوب پذیرائی ہوئی، اور ۲۰۱۹ء میں سلمان عبدالصمد کو ناول لفظوں کے لہو کے لیے یووا ساہتیہ اکیڈمی ایوارڈ ملا۔اسی درمیان سلمان کا ایک عمدہ افسانہ ایوان اردو میں ''نیا بجوکا'' عنوان سے شائع ہوا، جہاں سلمان افسانے، ناول اور کتابوں کی ترتیب میں مصروف تھے، وہی بیچ، بیچ میں ان کے تنقیدی مضامین نظر سے گزرنے لگے اسی دوران ایک مضمون شمس الرحمٰن فاروقی کی تصنیف شعر شور انگیز، پر سوالات نظر سے گزرا میں سلمان سے یہ مضمون پڑھنے کی خواہش ظاہر کی انہوں نے مجھے pdf بھیج دی، جب میں سلمان سے شعر شور انگیز، پر سوالات، والا مضمون پڑھا تو مجھے سلمان کی تنقیدی تقویت کا اندازہ ہوا۔

سلمان ناول بھی لکھتے اور افسانے بھی ساتھ تنقیدی مضامین بھی، لیکن ان کی زبان اور لفظیات دونوں میں مختلف ہے، جیسا کہ پروفیسر خورشید صاحب نے کہا تھا کہ فکشن یا کسی بھی تخلیق کی زبان عالمانہ نہیں ہوتی عالمانہ زبان کے استعمال کے لیے مضامین کی دنیا ہوتی ہے، سلمان اس بات سے بخوبی واقف ہیں جس کا اندازہ ان کے فکشن اور تنقیدی مضامین پڑھ کر کسی بھی قاری ہو ہوسکتا ہے ''متن کے آس پاس'' میں شامل مضامین کا مطالعہ کرنے کے بعد احساس ہوتا ہے کہ سلمان اپنے تنقیدی مضامین سے اتنے مطمئن نہیں ہیں جتنا کہ وہ اپنے فکشن سے ہیں۔جس کا اظہار وہ کتاب کے ''مقدمے باتیں دل کی'' میں کچھ اس طرح کرتے ہیں۔

یہ مجموعہ، شاعری، فکشن، تنقید اور صحافت کے متعلقات پر ہے۔ساتھ ہی میرا رشتہ فکشن سے بھی ہے .. ناول'' لفظوں کا لہو'' کے علاوہ میں نے پانچ سات افسانے بھی لکھے، دو ڈھائی برسوں سے اس کتاب کی اشاعت کے لیے پر تول رہا تھا مگر اچانک رک جاتا تھا .رک جانے کا یہ فائدہ ہوا کہ میں نے مضامین پر دوبارہ بلکہ سہ بارہ کام کیا، نئے اور اچھے مضامین کی گنجائش پیدا کرنے کے لیے کمزور مضامین کو نکالتا گیا، بار بار کی تبدیلی سے یقیناً زبان و بیان اور حوالوں کے تجزیے میں بہتری آئی ہے، میرا خیال ہے کہ ایک تخلیق کار نوجوان تنقیدی مضامین کے مجموعے سے سرسری گزرنا ادبی دیانت داری نہیں ہوگی، (متن کے آس پاس، صفحہ نمبر ۶ سلمان عبدالصمد)

متن کے آس پاس کا باقاعدہ آغاز حضرت امیر خسرو ورحمتہ اللہ علیہ کی ہندوی شاعری پر لکھے مضمون سے ہوتا ہے جس کا عنوان (خسرو کا ہندوی کلام اور اشکالات) ہے .

سلمان نے خسرو کی ہندوی شاعری کا انتخاب کیوں کیا اس

تعلق سے مضمون کا آخری اقتباس ملاحظہ ہو۔

(خسرو کے ہندوی کلام کا موضوعاتی سروکار یہ ہے کہ اس میں ہندوستانی تہذیب وثقافت اور معاشرتی پہلوؤں کو فن کاری کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔انہوں نے نہ صرف ہندوی بلکہ فارسی کلام میں بھی ہندوستانیت سے بہت کچھ حاصل کیا ہے،ان کے لب ولہجہ میں ہندوستانیت کی آمیزش ہے اور ہندوی کی طرف ان میلان میں شعوری کوشش نظر آتی ہے۔اس لئے یہ کہنے میں کوئی مضائقہ نہیں کہ اگر وہ فقط تفنن طبع کے لئے ہندوی کی طرف مائل ہوتے تو شاید ہندوستانیت اس پرشکوہ اور طمطراق انداز میں ان کے یہاں جلوہ گر نہیں ہوتی۔(ازمتن کے آس پاس،صفحہ نمبر۲۳ سلمان عبدالصمد)

یقیناً یہ مختصر اقتباس قاری کی تشنگی مداوا نہیں کرسکتا لیکن تبصرہ کے کچھ تقاضے نظر میں رکھنے ضروری ہوتے ہی ہیں۔ سلمان نے دوسرا مضمون میں،ولی دکنی کی لسانی عظمت سیر حاصل گفتگو کی ہے اور ان کے کلام لسانی خصوصیات کو اجاگر کرنے میں کامیابی حاصل کی ہے،ایک جگہ وہ ولی کی مقبولیت کے تعلق سے لکھتے ہیں:

ولی کی مقبولیت کا راز یہی ہے کہ انہوں نے حساسیت اور زمانہ شناسی کا مظاہرہ کیا ہے،وہ اس طرح کہ دکن کے شعرا فقط زبان میں شاعری کرنے میں محو تھے،اس لیے ان شعرا کی مقبولیت دکن میں اچھی خاصی تھی مگر ولی ابتداً دکن میں اجنبیت کے شکار تھے۔کیونکہ انہوں نے دکنی سے زیادہ،اس زبان کو اظہارِ سخن کے لیے اپنایا جو شمالی اثرات سے دکن و گجرات میں تشکیل پانے لگی تھی۔

دکن والوں کو ولی کی یہی لسانی جدت،اجنبیت کے ساتھ ہی سہی،پسند آنے لگی یا پھر دکن والے اس پر خاموشی کے ساتھ معترض ہوئے۔کیوں کہ ان کی زبان دکنی سے ذرا مختلف تھی،اسی لسانی اختلاف کی بنیاد پر ولی دکنی شاعروں کے درمیان نمایاں ہونے لگے۔(ازمتن کے آس پاس صفحہ نمبر29 سلمان عبدالصمد)

ولی دکنی کی ایسی کئی لسانی انفرادی خصوصیات سلمان کے مضمون میں آپ کو دیکھنے کو مل جائیں گی۔

تقلید ایک ایسا لفظ ہے جس پر رات دن دنیا کے کسی نہ کسی کونے پر بحث تکرار کی محفلیں جمی رہتی ہیں کچھ کے نزدیک تقلید بنیادی حیثیت رکھتی ہے تو کچھ کے نزدیک تقلید حرام کا درجہ رکھتی ہے لیکن یہ معاملہ مذہب اور مسلک کی حد تک تو درست ہے لیکن میرے نزدیک اور شاید سلمان کے نزدیک بھی تقلید کی ادب میں کوئی گنجائش نہیں ہے،جس کی عمدہ مثال کتاب میں شامل اردو کے معتبر نقاد کے مشہور کتاب (شعر شور انگیز) پر کیے سوالات منحصر مضمون ہے۔جو تنقیدی اذہان رکھنے والوں کے لیے ایک علمی بحث ومباحث پر مشتمل مضمون ہے،اپنے مضمون کے آغاز میں سلمان شمس الرحمٰن فاروقی کے متعلق لکھتے ہیں:

شمس الرحمٰن فاروقی کی تنقید کو وقار واعتبار عطا کرنے میں جہاں ان کی علمیت کا کردار ہے، وہیں ان کی تخلیقی صلاحیتوں کا بھی،اگر وہ تخلیق کار نہ ہوتے تو شاید اس انفرادی شان سے ادب پاروں کے معانی ومفاہیم متعین نہیں کر پاتے ظاہر ہے جب معتبر تخلیق کار کے پاس علمی خزانہ،بالیدہ فکر اور تجزیاتی ذہن ہو تو وہ نرے ناقد سے بہتر فن پاروں کا تجزیہ کر سکتا ہے،شمس الرحمٰن فاروقی کے پاس تخلیقی صلاحیت بلا کی تھی اور تجزیاتی ہنر مندی ان کا خاصہ تھا،ساتھ ہی ان کا مطالعہ ثروت مند تھا۔(ازمتن کے آس پاس صفحہ نمبر۲۹ سلمان عبدالصمد)

اردو شاعری میں غالب کے بعد جس شاعری اور فنکاری پر ناقدین نے سب سے زیادہ صفحات سیاہ کیے ہیں وہ علامہ اقبال کی شخصیت ہے، سلمان کے لیے یقیناً علامہ کے کلام اور ان کی شخصیت پر لکھنا کسی چیلنج سے کم نہ ہوگا کیونکہ علامہ اردو شاعری کا وہ نام ہے جس پر جتنا ان کی موجودگی میں لکھا گیا اس سے کہیں زیادہ ان کے دنیا سے جانے کے بعد لکھا گیا اور یہ سلسلہ ہند و پاک میں تسلسل کے ساتھ آج تک جاری ہے، سلمان نے اپنے مضمون میں علامہ کے خودی کے فلسفے اور ان کی شاعری میں پائی جانے والے تصوف کے مضامین پر گفتگو نہ کر کے تصور فرد اور سماجی مضامین کو اپنی گفتگو کا محو بنایا ہے۔ وہ اپنی بات کو تقویت اور مدلل انداز میں پیش کرنے کے لیے پروفیسر عبدالحق کے ایک اقتباس قلم بند کرتے ہیں۔

دور حاضر میں ہی نہیں بلکہ دنیائے علم و دانش میں ایک بھی شخص اقبال کے برابر نظر نہیں آتا جو انسانی ہیئت اجتماعیہ کے اثبات و استحکام کے لئے اتنا کوشاں اور اس کی نفی مزاحمتوں پر اتنا سخت گیر اور نکتہ چیں ہو۔ (از تنقید اقبال اور دوسرے مضامین . پروفیسر عبدالحق، جمال پرنٹنگ پریس دہلی ۱۹۷۶، صفحہ نمبر ۳۵)

سلمان اپنے مضمون ''اقبال کا تصورِ فرد اور سماج'' دو اجزا میں منقسم کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

زیرِ بحث موضوع ''اقبال کا تصورِ فرد اور سماج'' کے اساسی طور پر دو اجزا ہیں: اول: تصورِ فرد۔ دوم: سماجی سروکار۔ سماجی تشکیلات اور فردی تصورات کو تمام و کمال کے ساتھ الگ الگ بیان کرنا دشوار ہے، سماجی بنت میں اگر فرد تانے کی حیثیت رکھتا ہے تو جماعت بانے کا مقام رکھتی ہے۔ (از، متن کے آس پاس سلمان عبدالصمد صفحہ نمبر ۵۷)

علامہ کے تصور فرد اور سماج کے بعد سلمان اردو کے پہلے ناقد خواجہ الطاف حسین حالی کے تصنیف (مجالس النساء) اپنی تنقید کا موضوع بناتے ہوئے لکھتے ہیں:

حالی کی ''مجالس النساء'' ۱۸۷۴ کو اصلاحی پس منظر میں خاصی اہمیت حاصل ہے تاہم اس کے صفحات سے فقط اصلاحی نقطہ نظر کی وضاحت نہیں ہوتی بلکہ منشور زندگی کی جھلکیاں بھی سامنے آتی ہیں، اس میں عورت بھی پیش نظر ہے لیکن مختلف صفحات پر عمومی نظریات بھی کثرت سے ملتے ہیں، اس طرح مجالس النساء عورتوں کے ساتھ ساتھ دیگر امور پر لکھی گئی کتاب بن جاتی ہے۔ (از، متن کے آس پاس سلمان عبدالصمد صفحہ ۶۵)

اردو فکشن نگاری میں سعادت حسن منٹو کی انفرادیت اور مقبولیت سے ادب کا بڑے سے بڑا اور چھوٹے سے چھوٹا ادیب واقف ہے اردو شاعری میں غالب جیسی شہرت شاید ہی کسی کے حصے میں آء ہو کہ خواص و عام دونوں طبقوں میں غالب کی مقبولیت یکساں ہے ٹھیک اسی طرح فکشن میں منٹو کی شہرت دونوں طبقوں میں یکساں ہے، یہی وجہ ہے کہ جہاں ان دونوں کی تخلیقات پر خوب صفحات سیاہ کیے گیے وہی ان کو مخصوص دائرے میں مقید کر دیا گیا، منٹو کے بارے میں عام رجحان یہی ہے کہ وہ مکمل طور پر ایک جنسیت پسند افسانہ نگار ہے۔

سلمان نے منٹو کے ایک مشہور افسانہ ''نیا قانون'' اپنے تنقیدی موضوع کا حصہ بنایا ہے، اور عنوان (منٹو اور تضاداتِ نیا قانون) سلمان منٹو کے متعلق لکھتے ہیں

''منٹو ایک معمار افسانہ نگار تھے جنھوں نے اردو افسانے کے لیے ایک نئی راہ دریافت کی- ان کے تجربات و موضوعات اور انحرافات ادب کا بہترین سرمایہ ہے، اس لئے

منٹو کا یہ قول بہت یاد آتا ہے ''سعادت حسن مر جائے گا مگر منٹو زندہ رہے گا''

منٹو کے یہاں جنسیت ہے اس کا انکار کوئی بھی باشعور قاری یا نقاد نہیں کر سکتا لیکن منٹو کے یہاں صرف جنسیت ہے یہ کہنا ناانصافی ہوگی. سلمان لکھتے ہیں:

''یہ حقیقت ہے کہ منٹو نے کسی جبر کے تحت جنسی موضوعات کو پیش نہیں کیا بلکہ شعوری طور پر جنس سے اپنے افسانوں کے لیے مغز و مواد حاصل کیا ہے، اسی بنیاد پر بہت سے نقاد ان پر جنسی بے راہ روی کا الزام لگاتے ہیں، لیکن ان کے جنس میں معاشرتی کرب اور بیچارگی دکھائی دیتی ہے ساتھ سماجی تضادات روشن ہوتے ہیں۔ ماہر نفسیات پروفیسر محمد محسن نے نفسیاتی تجزیوں میں منٹو اور جنس بہترین محاکمہ کیا ہے۔ اس ضمن ان کی کتاب ''سعادت حسن منٹو: اپنی تخلیقات کی روشنی میں'' اہم ہے۔

متن کے آس پاس۔ میں ایک عمدہ مضمون (تین اسلوبیاتی نقادوں پر ایک نظر) ہے جس میں سلمان نے اردو کے تین اسلوبیاتی ناقدین کی اسلوبیاتی تنقید نگاری ہر سیر حاصل گفتگو کی ہے انہوں نے جن تین ناقدین کو اپنے مضمون میں شامل کیا ہے ان میں پروفیسر گوپی چند نارنگ، پروفیسر مسعود حسین خان، پروفیسر مرزا خلیل بیگ کو شامل کیا ہے۔

ناول راگنی، مکان، درندہ، مافیا، اور اپنے ناول پلیتا کے لئے مشہور مابعد جدید کے فکشن نگار اور شاعر کے ناول (دوست) کو سلمان نے موضوع بنایا ہے، جس کی ترتیب بھی رضیہ سلطانہ اور سلمان عبدالصمد کیا ہے ۲۰۱۸ شائع ہوا یہ ناول ''لیوان ریلیشن شپ'' پر منحصر ناول ہے لیکن سلمان اپنے مضمون میں اس بات سے انحراف کرتے نظر آتے ہیں لکھتے ہیں۔

''پیش نظر ناول (دوست) کے مکالمے اور ایک نئے رشتے کی تلاش کے لیے وجود میں آنے والے جملوں سے اس کا موضوع متعین کرنا کسی حد تک آسان ہو جاتا ہے کہ یہ لیوان ریلیشن شب'' کے پس منظر میں تخلیق کیا گیا ہے تاہم پیغام کے یہاں دوستی کا جو رشتہ ابھرتا ہے اسے مکمل لیوان ریلیشن شب سے ہم آہنگ کر دینا اس ناول کے ساتھ انصاف نہیں ہوگا - اتنی بات ضرور ہے کہ انہوں نے لیوان ریلیشن شب کو موضوع بحث بنایا ہے- مگر انہوں نے اس میں ریلیشن پر بہت سے سوالات بھی قائم کیے ہیں- اس لیے ہم کسی حد تک اس کو لیوان ریلیشن کے موضوع سے قریب تر مان سکتے ہیں، تاہم مکمل طور پر نہیں- (از متن کے آس پاس صفحہ 110 سلمان عبدالصمد)

ان مضامین کے علاوہ کتاب میں شامل مضامین میں ''ناول دھوپ چھاؤں کا تجزیہ'' اماوس میں خواب، کا موضوع اور اسلوب، ش مظفر پوری کے ناول ''تین لڑکیاں ایک کہانی'' کا تنقیدی مطالعہ، جوگندر پال کے افسانے، مفتی کا نفسیاتی رویہ اور ماتھے کا تل، مکتوباتِ اکبری کا تنقیدی جائزہ، اردو کی نفسیاتی تنقید پر ایک نظر، نئی پرانی کتابیں: چند باتیں، اظہار و ترسیل، علاقائی تناظر اور صحافت، لائقِ مطالعہ مضامین ہیں۔

ناول ''لفظوں کا لہو'' جیسی عمدہ تخلیق کے بعد متن کے آس پاس میں شامل علمی مضامین کے لیے سلمان عبدالصمد کو دلی مبارک باد۔

☆☆☆

ڈاکٹر محمد آصف علی (صحافی، روبی چینل)

حیدرآباد میں ایوانِ احمد کے زیر اہتمام محفلِ شعر و تہنیت میں

مہمان علی شاہدؔ دلکش (بنگال) کا استقبالیہ

13/اکتوبر 2024ء بروز اتوار صبح نو بجے بمقام علی عبد اللہ اینگلو عقب رینوابی بی کینسر ہاسپٹل ملک پیٹ حیدرآباد میں ایک ادبی نشست بہ اعزاز محمد ثناء اللہ انصاری وصفی منعقد کی گئی۔ ساتھ ہی ساتھ ایوانِ احمد کے زیر اہتمام محفل شعر و تہنیت میں مہمان شاعر و ادیب علی شاہدؔ دلکش (کلکتہ، بنگال) کو بھی شال اور گلدستے سے استقبالیہ دیا گیا۔ تقریب کی صدارت ابن عدیل کے فائق فرزند ارجمند ڈاکٹر فاروق شکیل نے فرمائی۔ مہمان خصوصی کی حیثیت سے علی شاہدؔ دلکش (کلکتہ)، سردار سلیم، سمیع اللہ حسینی سمیع، فرید سحر، مظفر احمد نے شرکت کی۔ معتبر شعراء کرام میں اکبر خان اکبر، نوید جعفری، لطیف الدین لطیف، ثناء اللہ وصفی، شکیل حیدر، سعد اللہ خان سبیل، جہانگیر قیاس، تشکیل انور رزاقی، ارشد شرفی، سراج یعقوبی، باسط علی رئیس، افتخار عابد اور سہیل عظیم میں موجودگی رہی۔ جبکہ یادگار نظامت کے فرائض لطیف الدین لطیف نے ادا کیے۔ داعی محفل پروفیسر مسعود احمد (ہاسپٹل چیف آپریٹنگ آفیسر رینوابی بی کینسر ہاسپٹل حیدرآباد) جو ماہر تعلیم بھی ہیں اور نظم و نسق مزید بلند فکر و سخن کے حامل بھی۔ انہوں نے اس تقریب کا آغاز پر تکلف ناشتہ کے بعد کیا اور تاثراتِ میزبانی کا اظہار کیا۔ جب کہ راقم الحروف کا اب تک کا تجربہ رہا ہے کہ پروگرام کے بعد یا بیچ میں بھی عام و خاص کی ضیافت ہوتی ہے۔ پروفیسر صاحب جہاں دیدہ اور عالمی شخصیت ہیں، انہوں نے بڑے ہی نظافت و لطافت سے شعراء کرام اور حاضرین محفل کا استقبال کیا۔ حمد و نعت سے بزمِ شعر کا آغاز ہوا۔ سبھی مذکورہ بالا شعراء کرام نے اپنے کلام میں فکر و فن کی خوب جولانیاں پیش کیں۔ طنز و مزاج کی شاعری نے بھی محفل شعر میں چار چاند لگا دیا۔ راقم الحروف کا یہ خیال ہے کہ مخصوص اور خالص ادبی نشست بے ڈھنگ بڑے مشاعروں سے بھی زیادہ بہتر و کامیاب رہی۔ موجود شعراء کرام نے فکر و فن کی بلندیوں کو چھو لیا۔ اور ان کا ہر شعر صنفِ شاعری کی فکر و فن پر کھرا اترتا

ہوا محسوس ہوا۔ کاش کہ ناچیز کے وہ اشعار محفوظ کر لیتا تو اسے ضبطِ تحریر کرنے میں آسانی ہوتی۔ واضح کر دوں کہ حال ہی میں آپ ہائی کورٹ سے پیش کار کے عہدے سے وظیفہ حسن پر سبک دوش محمد ثناء اللہ انصاری وصفی کی تہنیت کی گئی جن کی تازہ کتاب جذبات وصفی منظر عام پر آئی ہے۔ وصفی صاحب اپنے برادران کے ساتھ محفل میں شریک ہوئے۔ اللہ ان کی خدمات کو قبول کرتے ہوئے اپنے حفظ وامان میں خوش وخرم رکھے، آمین۔ پرگرام کے وسط میں بڑی گرم جوشی سے صدرِ محفل، مہمان خصوصی اور ثناء اللہ انصاری وصفی صاحب کی شال پوشی اور گل پیشی کی گئی۔ حاضرینِ محفل میں کئی سرکردہ شخصیات موجود رہیں۔ ڈاکٹر محمد آصف علی (الیکٹرونک میڈیا، روبی چینل)، مولانا ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی (ایڈیٹر ماہنامہ صدائے شبلی حیدرآباد)، عالی جناب مظفر احمد دمام سعودیہ عربیہ اور دیگر احبابِ علم ودانش بھی موجود تھے۔ داعی محفل پروفیسر مسعود احمد صاحب نے حاضرین شعراء کرام اور اپنے اسٹاف کا بعد از تکمیل محفل شعر ایک بار اور چائے کے ساتھ تہہ دل سے شکریہ ادا کیا۔ پروفیسر مسعود احمد صاحب کے ایوان احمد میں ان کے منتخب کلام کے چار طُغرے آویزاں ہیں۔ انھوں نے ان ہی میں سے چند منتخب اشعار محفل شعر میں سامعین وحاضرین کی نذر کیے۔ موصوف کہتے

میں آج کو سنوار کے کل چھوڑ جاوں گا
اپنے عمل کا تاج محل چھوڑ جاوں گا

جن کو پڑھا رہا ہوں اخوت کا میں سبق
ان لوگوں میں ہی اپنا بدل چھوڑ جاوں گا

☆☆☆

ڈاکٹر نادر المسدوسی۔ صدر بزم علم وادب حیدرآباد

غزل

شاعری گیت ہو کہ نغمہ ہو
آبشاروں کے جیسا لہجہ ہو

دل کی دنیا کا ایک سانچہ ہو
جس سے اُبھرا حسین چہرہ ہو

کوئی کمرہ کوئی در بچہ ہو
دھوپ میں بھی ہوا کا سایہ ہو

چاہتا ہوں مرا بھی دنیا میں
کوئی رشتہ کوئی تو اپنا ہو

سوچتا ہوں کبھی کبھی اکثر
زندگی جیسے ایک سپنا ہو

آئینے میں نظر جو آ جائے
صاف گوئی تو ایک چہرہ ہو

میری آہوں کا اُس کی سانسوں تک
ایسا لگتا ہے گہرا رشتہ ہو

دم بخود ہو گیا وہ کچھ ایسے
موت کا جیسے سر پہ سایہ ہو

خود سے تکرار مت کرو نادرؔ
میں نہیں چاہتا تماشا ہو

مدینہ گرامر ہائی اسکول حافظ بابا نگر حیدرآباد میں سیرت النبی کوئز کمپیٹیشن

جلسہ سیرت النبی ﷺ کا انعقاد انعامات واعزازات واسناد کی تقسیم

سرباسط ایجوکیشنل اینڈ ریسرچ اکیڈمی کے زیر اہتمام مدینہ گرامر ہائی اسکول حافظ بابا نگر حیدرآباد میں ۱۰ ستمبر ۲۰۲۴ء کو سیرت النبی کوئز کمپیٹیشن اسکول کے چیئرمین جناب خلیل احمد کی سرپرستی اور زیر نگرانی مولانا حافظ ارشد صاحب استاذ مدینہ گرامر ہائی اسکول انعقاد عمل میں آیا۔ سیرت النبی کوئز کمپیٹیشن کے ممتحن مولانا حافظ ولی اللہ رحمانی صاحب رہے، اسکول کے تقریبا تمام طلبہ وطالبات نے حصہ لیا۔ کوئز کمپیٹیشن میں پہلی پوزیشن دسویں جماعت کی طالبہ صوفیہ بیگم نے حاصل کیا، اسکول کی طرف سے -/1500 روپیہ نقد، مومنٹو اور سند سے صوفیہ بیگم کی حوصلہ افزائی کی گئی۔ دوسری پوزیشن کنیز بیگم اور تیسری پوزیشن عفت فاطمہ نے حاصل کیا۔ سبھی کوئز کمپیٹیشن میں شریک طالبہ وطالبات کو تشجیعی انعامات، مومنٹو اور سند سے نوازا گیا۔ اسکول کی معلمات جنہوں نے اس کوئز کمپیٹیشن میں معاونت کی تھی ان کی کارکردگی اور خدمات کو سراہا گیا۔ جلسہ سیرت النبی ﷺ انعامت واسناد کی تقسیم کے موقع پر مہمان خصوصی مولانا مفتی ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی چیئرمین شبلی انٹرنیشل ایجوکیشنل ٹرسٹ اور ایڈیٹر ماہنامہ صدائے شبلی حیدرآباد نے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ حضور اکرم ﷺ کی حیات طیبہ کا ہر پہلو ولادت سے وصال تک ہمارے لیے بہترین نمونہ ہے، حضور اکرم ﷺ نے علم، اخلاق، عفودرگذر، ہمت، سچائی، ایمانداری اور حوصلے سے کام کرنے کی تلقین کی ہے، ہمیں اپنا آئیڈیل حضور اکرم ﷺ کی ذات مبارکہ کو بنانا چاہئے اس سے ہمیں دونوں جہان کی کامیابی ملے گی، اس موقع پر اسکول کے معلمات اور طلبہ وطالبات نے بھی اپنے اپنے تأثرات کا اظہار فرمایا۔ آخر میں مہمان خصوصی کی دعا پر پروگرام اختتام کو پہنچا اور مہمان خصوصی نے اسکول کی انتظامیہ کا شکریہ ادا کیا اور اسکول کی تعمیر وترقی کے لئے خصوصی دعا کی گئی۔

☆☆☆

مکرم جاہ بہادر کی یوم پیدائش پر فاونڈرس ڈے کا انعقاد

نواب سلطان غالب عودالقعیطی کی نظامس پر کتاب کی رسم اجراء۔ پرنسس اسری کی شرکت

حیدرآباد۔6اکتوبر۔ (پریس نوٹ) نواب میر برکت علی خاں مکرم جاہ بہادر مرحوم کے یوم پیدائش کے موقع پر مکرم جاہ اسکول میں عظیم الشان پیمانہ پر فاونڈرس ڈے کا انعقاد عمل میں آیا۔ مسرت محل پرانی حویلی میں منعقدہ

اس تقریب میں سلطان غالب بن عودالقعیطی کی تحقیقاتی انگریزی تصنیف ''دی نظامس سکندر جاہ ناصر الدولہ اہل الدولہ'' کی رسم رونمائی عمل میں آئی۔ یہ کتاب مکرم جاہ ٹرسٹ فار ایجوکیشن اینڈ لرننگ نے شائع کی۔ اس موقع پر شہزادہ اسری جاہ بہ نفس نفیس موجود تھی۔ شہزادی صاحبہ مکرم جاہ ٹرسٹ کی تعلیمی وتعمیری سرگرمیوں کی روح رواں رہی ہیں۔ جبکہ تاریخی ورثہ کے تحفظ میں ان کی خدمات مسلمہ ہیں۔ ترکی کے قونصل جنرل متعینہ حیدرآباد مسٹر ارہان یلمان اوکان نے مہمان خصوصی کی حیثیت سے شرکت کی۔ ان کی اہلیاہ مسز اہلی ہان سلیمان بھی موجود تھیں۔ اعزازی قونصل جرمن برائے اے پی وتلنگانہ مسز امیتا دیسائی ڈائرکٹر حیدرآباد لٹریری فیسٹول اعزازی مہمان تھیں۔ مقررین نے آٹھویں نظام مکرم جاہ بہادر کو خراج عقیدت پیش کیا۔ جنہوں نے پرانی حویلی کو تعلیمی مقاصد کے لئے عطیہ کیا۔ پرانی حویلی مسرت محل اور آٹھ محلات پر مشتمل ہے۔ اس کے علاوہ آٹھویں آٹھویں نظام نے تعلیم کے لئے کئی اور جائیدادیں عطیہ میں دی ہیں۔ پرانی حویلی میں قائم مکرم جاہ اسکول ہندوستان کے بجٹ اسکول میں سرفہرست ہے۔ لڑکے اور لڑکیوں کی اعلی تعلیم کے لئے باقاعدہ کوچنگ کا اہتمام بھی کیا جاتا ہے۔ ترکی قونصل جنرل کے علاوہ ٹرسٹی نواب ابوالفیض خان نے طلبہ کو تلقین کی کہ وہ موبائل کا مثبت اور تعمیری طور پر استعمال کریں۔ محترمہ امتیا دیسائی نے بھی خطاب کیا۔ نواب فیض بن جنگ کے علاوہ پرنسپال اسکول مسز ریکھا وادھے اکیڈیمی اڈوائزر کوثر سعید شہ نشین پر موجود تھے۔ اس موقع پر اسکول کی قدیم ٹیچرس کے خدمات کے اعتراف میں مومنٹو پیش کئے گئے۔ ہونہار طلبہ کو تہنیت پیش کی گئی۔

مکرم جاہ فاؤنڈرس ڈے کی تقریب کے موقع پر تصویر میں مکرم جاہ ہائی اسکول کے اساتذہ محمد مدثر، محمود پاشا (کونسلر) جناب سندر، جناب رستم، جناب ناگراج، جناب شیخ محمد نعمان، ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی، جناب محمد منہاج، جناب سرینواس، جناب سنجے کمار چودھری، جناب حافظ محمد اطہر اور جناب وکاس سر دیکھے جاسکتے ہیں۔

مولانا خیر الدین صوفی۔صدر آل انڈیا علماء کونسل حیدرآباد

حضرت رحمٰن جامی کی شاعری اور ادبی خدمات آنے والی نسلوں کے لیے مشعل راہ

برصغیر کے عظیم شاعر کو خراج عقیدت

آل انڈیا صوفی علماء کونسل کے زیر اہتمام منعقدہ نعتیہ مشاعرہ

مولانا خیر الدین صوفی، مولانا ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی، عبدالستار کا خطاب

حضرت میر عبدالرحمٰن جنیدی نقشبندی المعروف بہ رحمٰن جامی برصغیر کے عظیم شاعر کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں جنہوں نے اپنی مکمل زندگی اردو کی خدمت کے لیے وقف کر دی حضرت رحمٰن جامی کے 16 مجموعہ کلام شائع ہوئے اور اپ کو کئی ایوارڈ سے بھی نوازا گیا حضرت رحمٰن جامی منکسر المزاج عجز وانکساری کے پیکر تھے ان خیالات کا اظہار صدر آل انڈیا صوفی علماء کونسل مولانا حکیم صوفی سید شاہ محمد خیر الدین قادری نے اردو گھر میں منعقدہ حضرت رحمٰن جامی کی یاد میں غیر طرحی نعتیہ مشاعرے میں ان باتوں کا انکشاف کیا اپنا سلسلہ بیان جاری رکھتے ہوئے مولانا خیر الدین صوفی نے کہا کہ جنوب ہند اور خاص طور پر سابق ریاست حیدرآباد میں اردو ادب کی خدمت کرنے والے بے شمار نامور شخصیتیں گزری ہیں جن کی ادبی خدمات رہتی دنیا تک قائم رہے گی جس میں چودھویں صدی میں اسمان شعروادب کے درخشاں ستاروں میں حضرت رحمٰن جامی وہ روشن وتابناک ستارے کا نام ہے جن سے سینکڑوں اردو ادب کے طالب علم فیضیاب ہوئے اور جن کی شاعری پر پی ایچ ڈی بھی کی گئی اور حضرت رحمٰن جامی کا یہ خاصہ تھا کہ جس کو شاعری کی طرف میلان نہیں ہوتا اس کو نہ صرف شاعر بنا دیتے بلکہ وہ اردو ادب کا ایک حصہ بن جاتا

حضرت رحمٰن جامی کی مکمل زندگی اردو کی بقا اور اس کی تابنا کی پر مرکوز رہی مولانا خیر الدین صوفی نے کہا کہ حضرت رحمٰن جامی کی یاد میں مشاعروں کا سلسلہ جاری رہے گا اس کے ساتھ ہی انہوں نے حضرت رحمٰن جامی کے شاگردوں کو بھی یہ پیغام دیا کہ وہ دنیا کے کسی بھی حصے میں کیوں نہ رہے اپنے شفیق استاد محترم کی خدمات کو اجاگر کریں اور ان کی یاد میں ادبی اجلاس اور مشاعروں کا اہتمام کریں مولانا ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی مدیر شبلی انٹرنیشنل ونائب صدر آل انڈیا صوفی علماء کونسل نے اپنے خطاب میں کہا کہ حضرت رحمٰن جامی کی یاد میں ایک ہال ان کے نام سے منسوب کیا جائے گا جو رحمٰن جامی ہال سے جانا جائے گا اس حال میں ادبی سماجی ثقافتی اجلاس منعقد ہوں گے مولانا ہلال اعظمی نے حضرت رحمان جامی سے اپنی دیرینہ وابستگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ میں شاعر نہ ہونے کے باوجود حضرت جامی سے اردو ادب سیکھا اور میں نے حضرت کی

ہی رہنمائی میں اپنا مقالہ تیار کیا جو آج مجھے ڈاکٹریٹ کی ڈگری کا حامل بنا دیا اس مشاعرے میں مہمان خصوصی کی حیثیت سے محترم شہریار خان والا جاہی سینیئر کانگریس قائد نے اپنے خطاب میں کہا کہ اردو کی ترقی اور اردو ادب کی خدمت کے لیے ریاستی حکومت اردو اکیڈمی کو فعال و کارکرد بنانے میں کوئی کسر نہ چھوڑے گی مہمان خصوصی نے شاعر اور ادیبوں اور اردو سے وابستہ افراد کے لیے حکومت سے نمائندگی کا وعدہ بھی کیا ایم اے ستار سیکرٹری مسلم یونائٹڈ فیڈریشن نے حضرت رحمٰن جامی کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا کہ ایسی شخصیات کو اللہ تعالی کسی ایک منصب پر فائز کر دیتا ہے اور وہ تاحیات اسی منصب کے ذریعے اپنے ملک اپنی زبان اور اپنی ثقافتی تاریخ کو برقرار رکھتے ہوئے آنے والی نسلوں کے لیے قابل تقلید کارہائے نمایاں چھوڑ جاتے ہیں انہی میں حضرت رحمٰن جامی کی عظیم شخصیت ہے حضرت رحمٰن جامی کی یاد میں منعقدہ پہلا مشاعرہ جو نعتیہ مشاعرہ تھا جس کی نگرانی استاد الاساتذہ حضرت سردار سلیم نے کی اس مشاعرے میں ڈاکٹر فاروق شکیل سید سمیع اللہ حسینی سید جنید حسینی جنید طاہر رومانی وحید پاشاہ قادری ڈاکٹر طیب پاشاہ قادری سراج یعقوبی سراج مدنی سہروردی ڈاکٹر ناقد رزاقی جہانگیر قیاس تشکیل انور رزاقی اور مولانا خیر الدین صوفی سید سہیل عظیم سید شاہنواز ہاشمی فضیل فوز حافظ سید حنیف شاہ حمید قادری محمد طالب چشتی حافظ وقاری خواجہ شاہ حمید الدین چشتی حافظ سید محمد سہیل قادری حافظ محمد زاہد کے علاوہ دیگر شعرائے کرام نے بارگاہ رسالت ماب صلی اللہ علیہ وسلم میں ہدیہ نعت سنانے کی سعادت حاصل کی سید سہیل عظیم نے نظامت کے فرائض انجام دیے اس مشاعرے کا آغاز تلاوت کلام پاک سے ہوا اور مولانا محمد محامد ہلال اعظمی کی دعا پر اختتام عمل میں آیا اس مشاعرے میں سامعین کی کثیر تعداد موجود تھی۔

سید جہانگیر بیابانی

نعتِ شریف: انوارِ مصطفٰے

احمد مُصطفٰے ہیں ہمارے رسولؐ
شفیع الورا ہیں ہمارے رسولؐ
ہادیٔ برحق ہیں ہمارے رسولؐ
شافع محشر ہیں ہمارے رسولؐ
قرآن لے کر آئے ہمارے رسولؐ
ایمان ہم کو سکھائے ہمارے رسولؐ

سرِ انبیاء ہیں ہمارے رسولؐ
شہنشاہِ دو جہاں ہیں ہمارے رسولؐ
شہ کون ومکاں ہیں ہمارے رسولؐ
محبِ خدا ہیں ہمارے رسولؐ
زندگی کا سہارا ہیں ہمارے رسولؐ
کامرانی کا اشارہ ہیں ہمارے رسولؐ

دین ودنیا کی سلامتی ہیں ہمارے رسولؐ
اور اسلام کے پاسباں ہیں ہمارے رسولؐ
ابرِ رحمت ہیں دنیا میں ہمارے رسولؐ
سایۂ رحمت ہیں یاں ہمارے رسولؐ
ضلِ سبحان ہیں یاں ہمارے رسولؐ
انور کے بھی راہی ہیں ہمارے رسولؐ

مدرسہ اسلامیہ نجم العلوم شاہین نگر حیدرآباد میں جلسہ سیرت النبی ﷺ کا انعقاد

مولانا ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی

2 اکٹوبر 2024 کو مدرسہ اسلامیہ نجم العلوم وادی عمر شاہین نگر حیدرآباد زیر انتظام شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل ٹرسٹ میں جلسہ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا انعقاد کیا گیا۔مدرسہ ھذا کے نظم ٹرسٹ کے چیرمین مفتی مولانا ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی نے مہمان خصوصی مولانا حافظ محمد اکرم قاسمی ناظم مدرسہ فاطمہ للبنات اور مہمان اعزازی مولانا ابوھوریرہ یوسفی قاسمی کا تعارف اور خیر مقدم کیا۔جلسہ کے آغاز کے لیے محمد کاشف متعلم مدرسہ ھذا کو تلاوت قرآن مجید کی دعوت دی بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں محمد ابصار متعلم مدرسہ ھذا نے نذرانہ عقیدت پیش کیا۔مدرسہ ھذا کے استاذ مولانا مبشر خان قاسمی نے حضور اکرمؐ کی حیات طیبہ اور غارِ حرا کی پہلی وحی پر مختصر خطاب کیا،مہمان اعزازی مولانا ابوھوریرہ یوسوفی قاسمی نے مدرسہ ھذا اور ٹرسٹ کی خدمات کی تحسین کی اور طلباء کو خوب محنت سے پڑھنے پر زور دیا،مدرسہ ھذا میں با قاعدہ انگلش کی تعلیم ہوتی ہے،طلباء کو مشورہ دیا کہ آپ انگریزی زبان کو پوری دلچسپی سے حاصل کریں کیونکہ اس وقت دنیا کو اور ہمارے ملک کے سارے اہم کام انگریزی زبان میں انجام دیے جاتے ہیں۔مدرسہ ھذا کے ناظم ٹرسٹ کے چیرمین مولانا ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی نے حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمہ کے ان اشعار کی تشریح کی

بلغ العلیٰ بکمالہ – کشف الرجی بجمالہ

حسنت جمیع خصالہ – صلو علیہ وآلہ

طلباء اور حاضرین محفل سے مزید کہتے ہیں کہ دنیا وآخرت کی کامیابی حضور اکرمؐ کی تعلیمات میں مضمر ہیں اس وجہ سے ہمیں شریعت وسنت کو مطابق زندگی گزارنی چاہیئے۔آخر میں مہمان خصوصی حضرت مولانا حافظ محمد اکرم قاسمی نے عالم،ملک اور مدرسہ اور معاونین مدرسہ کے لیے اللہ رب العزت کی بارگاہ میں دعا فرمائی اللہ تعالیٰ قبول فرمائے آمین۔

اس موقع پر ماہنامہ صدائے شبلی حیدرآباد کے تازہ شمارہ کی رسم رونمائی بھی ہوئی۔مدرسہ کے ذمہ دار مولانا مساعد ہلال احیائی،مدرس حافظ محمد رحمت اللہ صاحب سراجی،حافظ محمد فوزان نجمی،محمد مصادق ہلال مدرسہ کے تمام طلباء موجود رہے۔ ☆☆☆

علی شاہد دلکش (کلکتہ) کے ساتھ شعری نشست

ڈاکٹر حمران احمد معروفی

بروز اتوار 13 اکتوبر 2024 سہ پہر دفتر شبلی انتظام شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل ٹرسٹ میں ایک شعری نشست کا انعقاد کیا گیا، کلکتہ سے آئے ہوئے مشہور شاعر شاہد دلکش کا استقبال ٹرسٹی ڈاکٹر حمران احمد صدر شعبہ اردو ایم ایس اسکول حیدرآباد اور چیرمین شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل ٹرسٹ ایڈیٹر ماہنامہ صدائے شبلی حیدرآباد نے کیا اور کلام سنانے کی فرمائش کی، شاہد دلکش نے اپنی دلکش آواز اور خداداد آواز، لہجے اور اپنے سوز دروں سے حاضرین محفل کو آہ اور واہ کرنے پر مجبور کر دیا، اس موقع پر حافظ زبیر احمد صدیقی چیرمین سیدنا ابوبکر صدیق ایجوکیشنل ٹرسٹ، ناظم اعلیٰ جامعہ امداد الاسلام مولانا شریف اللہ خان قاسمی حیدرآباد اور مولوی سالم موجود تھے، مہمان شاعر کے دست مبارک سے تازہ شمارہ کی رونمائی ہوئی، اور ایڈیٹر ماہنامہ صدائے شبلی حیدرآباد کی مرتب کردہ کتاب ''گاندھی جی اردو ادبا، وشعراء کی نظر میں'' بطور ہدیہ پیش کیا گیا، مہمان شاعر نے شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل ٹرسٹ حیدرآباد کی ادبی، علمی کاوشوں کی سراہنی کی، شکریہ ادا کیا، مہمان شاعر کی ملاقات کا سبب مقبول ومشہور صحافی، مصنف سماجی جہد کار ڈاکٹر مختار احمد فردین صدر آل انڈیا اردو فارپیس اور اعزازی ٹرسٹی شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل ٹرسٹ کا رہا ادارہ ڈاکٹر مختار احمد فردین کا شکریہ ادا کرتا ہے۔

DR. S.J HUSSAIN
MD (Unani)
Former director Incharge
Central Research Institute Of Unani Medicine
Govt of India

website: www.unanicentre.com
Email:syedjalilhussain@gmail.com
jaleel_hussain@yahoo.com

Dr. Jaleel's

یونانی سینٹر فار کارڈیک کیر

UNANI CENTER FOR CARDIAC

Consultation Time
Morning: 9:00 am to 2:00 pm
(Friday Morning and Sunday Evening Closed)

Cell:
+91 8142258088
+91 7093005707

Adress -: No: 8-1-332/3/B-69, RoadNo 1(A)Arvind Nagar Colony
Tolichowk Hyderabad - 500008 T.S India

شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل اینڈ چیریٹیبل ٹرسٹ، حیدرآباد

SHIBLI INTERNATIONAL
EDUCATIONAL & CHARITABLE TRUST

SIECT

Regd. No. 180/2016

مدرسہ ومسجد کے تعاون کی اپیل

حدیث نبوی ﷺ ہے خَیرُکُم مَن تَعَلَّم القُرآن وَعَلَّمَہ ۔تم میں بہترین انسان وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے۔اس حدیث سے علم اور قرآن علم کی اہمیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔اسی علم کی نشر واشاعت کے لئے **مدرسہ اسلامیہ نجم العلوم** ۱۵؍جنوری ۲۰۱۷ء کو قائم کیا گیا تاکہ امت مسلمہ کے نونہالان زیور علم سے آراستہ ہوں اور ملک وملت کی خدمت میں وقف ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے۔آمین یارب العٰلمین۔

مدرسہ ہذا کی کوئی مستقل آمدنی نہیں ہے۔جملہ اخراجات کی ادائیگی اہل خیر حضرات کے تعاون سے ہوتی ہے۔

الحمدللہ مدرسہ میں تعمیری کام بھی جاری ہے،اس وجہ سے اہل خیر حضرات سے گذارش ہے کہ مدرسہ کا نقد یا اشیاء کے ذریعہ تعاون فرما کر یا کسی طالب علم کی کفالت لیکر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔نوازش ہوگی۔

مسجدِ الٰہی

زیرانتظام شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل اینڈ چیریٹیبل ٹرسٹ حیدرآباد کا تعمیری کام جاری ہے۔الحمدللہ ثم الحمدللہ ایک مخیرّہ خاتون نے 126 گز اراضی ٹرسٹ ہذا کو مسجد کے لئے وقف کیا ہے،اللہ تعالیٰ مخیرّہ کو دونوں جہاں میں بہترین بدلہ دے، آمین۔ مسجدِ الٰہی کی زمین مدرسہ اسلامیہ نجم العلوم وادیٔ عمر شاہین نگر حیدرآباد کا (اقامتی وغیر اقامتی) ادارہ ہے، جو شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل ٹرسٹ کے زیرانتظام 2017 سے خدمات انجام دے رہا ہے، بالکل اسی سے متصل ہے۔مدرسہ ہذا اور بستی کے لئے مسجد ناگزیر ہے،اس وجہ سے آپ تمام حضرات سے گزارش کی جاتی ہے کہ مسجد ہذا کے تعمیری کام میں نقد یا اشیاء کے ذریعہ معائنہ کر کے حصہ لے کر ثوابِ دارین حاصل کریں۔

جزاک اللہ خیرًا احسن الجزاء.

Bank Name : IDBI **A/c Number :** 1327104000065876

A/c Name : SHIBLI INTERNATIONAL EDUCATIONAL AND CHARITABLE TRUST

IFSC Code : IBKL0001327. Branch: Charminar

G Pay & Phone Pay : 8317692718, WhatsApp: 9392533661

العارض: حافظ وقاری مفتی ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی خطیب مسجد عالیہ، بانی وناظم مدرسہ ہذا چیرمین شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل ٹرسٹ حیدرآباد